اصولِ عقائد

متکلم اسلام
مولانا محمد الیاس گھمن دامت برکاتہم

E-MARKAZ
YOUR ONLINE MADRASA

جملہ حقوق بحق ای مرکز eMarkaz محفوظ ہیں

نام کتاب	اصولِ عقائد
تالیف	متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ
تاریخ اشاعت	رمضان المبارک 1445ھ–مارچ 2024ء
بار اشاعت	اول
تعداد	1100
ناشر	مکتبہ دار الایمان

کتاب منگوانے کا پتہ:

مکتبہ دار الایمان، مرکز اھل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی، لاہور روڈ، سرگودھا

0321-6353540

www.emarkaz.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اصولِ عقائد -- 11

شریعت کے اجزاء:-- 11

عقیدہ -- 12

عقیدہ کا لغوی معنی : -- 12

عقیدہ کا اصطلاحی معنٰی: -- 12

عمل -- 12

عبادت کا لغوی معنٰی:-- 12

عبادت کا اصطلاحی معنٰی:-- 13

عقیدہ اور عمل میں فرق -- 13

ضروریاتِ دین کی مثال: -- 15

ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ کی مثال:-- 16

عقیدہ کی اہمیت -- 16

معرفتِ عقیدہ -- 21

علم الکلام -- 22
علم الکلام کی تعریف: -- 22
علم الکلام کا موضوع: -- 23
علم الکلام کی غرض وغایت:-- 23
علم العقائد کو علم الکلام کہنے کی وجہ:-- 23
علم الکلام کی اہمیت: -- 25
علم الکلام کی فضیلت: -- 26
ائمہ علم الکلام-- 30
(1):امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ت150ھ -- 30
(2):امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الشافعی رحمہ اللہ ت324ھ -------------------- 32
(3):امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی رحمہ اللہ ت333ھ: -------------------- 35
فرقہ معتزلہ کی ابتداء: -- 39
عقائد کی اقسام -- 40
عقائد قطعیہ: -- 40
عقائد ظنیہ:-- 40
دلیل قطعی: -- 40
[1]: قرآن کریم -- 41
[2]:حدیثِ متواتر-- 41
[3]:اجماع-- 44
دلیل ظنی: -- 45

(1) قطعی الثبوت ظنی الدلالت ---------- 45
(2) ظنی الثبوت قطعی الدلالت ---------- 45
(3) ظنی الثبوت ظنی الدلالت ---------- 46
(4) استنباط ---------- 47
ترجیح عقیدۃ الاسلاف ---------- 53
مراعاۃ المعنی الظاھری للنصوص ---------- 57
اجماع ---------- 66
اجماع کا لغوی معنیٰ: ---------- 66
اجماع کا اصطلاحی معنیٰ: ---------- 66
اجماع کی اہمیت: ---------- 68
اجماع کی قسمیں: ---------- 70
اجماع کے مراتب: ---------- 71
اول منکرِ اجماع: ---------- 78
منکر اجماع کی سزا: ---------- 78
فاسد العقیدہ کے انکار سے اجماع متاثر نہیں ہوتا: ---------- 79
ترجیح النقل علی العقل ---------- 81
حَقِیَّةُ الاِعْتِقَادِ ---------- 84
ایمان ---------- 91

ایمان کا لغوی معنیٰ: ---------- 91
ایمان کا اصطلاحی معنیٰ: ---------- 91
ایمان کی قسمیں: ---------- 91
ایمان مجمل: ---------- 91
ایمان مفصل: ---------- 92
اَلْاِیْمَانُ لَایَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ ---------- 94
شرائطِ ایمان ---------- 98
اسلام ---------- 103
اسلام کا لغوی معنیٰ: ---------- 103
اسلام کا اصطلاحی معنیٰ: ---------- 103
ایمان اور اسلام میں فرق: ---------- 103
معیارِ ایمان: ---------- 106
کفر کا بیان ---------- 111
کفر کا لغوی معنیٰ: ---------- 111
کفر کا اصطلاحی معنیٰ: ---------- 111
کفر کی اقسام ---------- 111
[1]: کفر انکار ---------- 111
[2]: کفر نفاق ---------- 111
[3]: کفر ارتداد ---------- 114

[4]: کفر شرک ---------- 116
[5]: کفر کتابی ---------- 116
[6]: کفر دہری ---------- 116
[7]: کفر معطّلی ---------- 116
[8]: کفر زندقہ ---------- 117
[9]: کفر جحود ---------- 117
[10]: کفر عناد ---------- 117
[11]: کفر مفادی ---------- 117
﴿شرائط تکفیر﴾ ---------- 122
شرائط اھلِ افتاء ---------- 122
معرفتِ عرف ---------- 125
تکفیر کے اسباب ---------- 126
1: انکار ---------- 126
2: استحلال ---------- 126
3: استخفاف ---------- 127
4: استہزاء ---------- 127
فائدہ: ---------- 128
5: تاویلِ باطل ---------- 129
تاویل ---------- 130

تاویل کا لغوی معنیٰ: ---------- 130
تاویل کا اصطلاحی معنیٰ: ---------- 130
تاویل کی قسمیں: ---------- 130
[1]: التاویل الصحیح ---------- 130
[2]: التاویل الباطل ---------- 132
شرائط تاویل: ---------- 133
1: لغوی اور ظاہری معنی مراد لینا متعذر ہو: ---------- 133
2: ظاہری معنی کے خلاف دلیل یقینی موجود ہو: ---------- 134
3: لفظ میں تاویل کا احتمال ہو: ---------- 139
4: مؤوِّل اہل ہو: ---------- 141
5: تاویل ضروریاتِ دین میں نہ ہو: ---------- 142
عدمِ تکفیر کے اسباب ---------- 143
1: احتمال ---------- 143
2: سبقت لسانی ---------- 148
3: اکراہ ---------- 149
4: دینی ضرورت ---------- 151
5: لزومِ کفر ---------- 153
6: ارتکاب کبیرہ ---------- 154
فتویٰ تکفیر میں احتیاط ---------- 157
اہلِ قبلہ ---------- 158

لغوی معنی: ---------- 158
اصطلاحی معنی: ---------- 158
اہلِ قبلہ کا حکم: ---------- 159
جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ان کا اُخروی حکم ---------- 161
کفار سے تعلقات کا حکم ---------- 166
موالات کا حکم: ---------- 166
مدارات کا حکم: ---------- 167
مواسات کا حکم: ---------- 169
معاونت کا حکم: ---------- 171
کسی شخص پر لعنت کرنے کا حکم ---------- 173
لعنت کا لغوی معنی: ---------- 173
لعنت کا اصطلاحی معنی: ---------- 173
لعنت بھیجنے کے حکم کی تفصیلات: ---------- 173
فاسد العقیدۃ شخص کے پیچھے نماز کا حکم ---------- 183
ایمان و کفر ---------- 186
سنت و بدعت ---------- 186
شاذ اور فرقہ ---------- 187
شاذ: ---------- 187

فرقہ: 188
ا:فرقہ ناجیہ 188
۲:فرقہ ضالہ 188
ا:فرقہ ضالہ کافرہ: 188
۲:فرقہ ضالہ مبتدعہ 188
تہتر فرقوں کا مطلب 189
دین، مسلک، مذہب، منہج 192
دین: 192
مسلک: 192
ملحوظہ: 193
مذہب: 194
منہج: 194
چند الفاظ میں فرق 196
تشدد اور تسدد میں فرق: 196
تعصب اور تصلب میں فرق: 196
چند کتب 198

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصولِ عقائد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَ الْعَصْرِ ۙ(۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ(۲) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۠(۳)﴾

مفہوم: زمانے کی قسم بے شک وہی انسان کامیاب ہے جس کا عقیدہ درست ہو، عمل سنت کے مطابق ہو، صحیح عقیدہ اور سنت عمل کی تبلیغ واشاعت کرتا ہو۔ اگر اس تبلیغ واشاعت پر مصائب وپریشانیاں آئیں تو ان پر صبر کرتا ہو۔

شریعت کے اجزاء:

اگر شریعت کے اجزاء کی **تفصیلی** تقسیم کی جائے تو شریعت کے اجزاء پانچ ہیں؛

1: اعتقادات

2: عبادات

3: اخلاقیات

4: معاشرات

5: معاملات

اگر شریعت کے اجزاء کی **درمیانی** تقسیم کی جائے تو شریعت کے اجزاء تین ہیں؛

1: اعتقادات

2: عبادات

3: اخلاقیات

اور اگر شریعت کے اجزاء کی **مختصر** تقسیم کی جائے تو شریعت کے اجزاء دو ہیں؛

1: اعتقادات   2: اعمال

عقیدہ

عقیدہ کا لغوی معنیٰ:

1: مَاعُقِدَ عَلَيْهِ الْقَلْبُ وَالضَّمِيْرُ.

(المنجد: ص519 مادہ ع ق د)

ترجمہ: انسان اپنے دل وضمیر کو جس کا پابند بنائے اسے عقیدہ کہتے ہیں۔

2: مَاتَدَيَّنَ بِهِ الْاِنْسَانُ وَاعْتَقَدَهٗ.

(المنجد: ص519 مادہ ع ق د)

ترجمہ: جس کو انسان اپنا دین بنائے اور اس کا اعتقادر کھے اسے عقیدہ کہتے ہیں۔

عقیدہ کا اصطلاحی معنیٰ:

اَلْحُكْمُ الْقَاطِعُ وَالْيَقِيْنُ الْجَازِمُ الَّذِيْ لَا شَكَّ فِيْهِ لَدٰى مُعْتَقِدِهٖ.

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

ترجمہ: عقیدہ اس حکم ثابت اور پختہ یقین کو کہتے ہیں جس کے معتقد کے نزدیک اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو۔

عمل

عمل سے مراد "عبادات" ہیں۔

عبادت کا لغوی معنیٰ:

محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازی رحمہ اللہ ت660ھ لکھتے ہیں:

اَلْعِبَادَةُ: الطَّاعَةُ.

(مختار الصحاح: ص205 باب العین)

ترجمہ: عبادت کا معنی اطاعت کرنا ہے۔

عبادت کا اصطلاحی معنیٰ:

امام علي بن محمد بن علی المعروف میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ ت816ھ لکھتے ہیں:

فِعْلُ الْمُکَلَّفِ عَلٰی خِلَافِ هَوىٰ نَفْسِهٖ تَعْظِیْمًا لِرَبِّهٖ.

(کتاب التعریفات:ص105 باب العین)

ترجمہ: عبادت کا معنی ہے مکلف آدمی کا اپنے رب کی تعظیم کی وجہ سے اپنے نفس کی خواہش کی مخالفت کے باوجود عمل کرنا۔

عقیدہ اور عمل میں فرق

فرق نمبر 1:

عقیدہ اصل ہے اور عمل فرع ہے، جو فرق اصل اور فرع میں ہے وہی فرق عقیدہ اور عمل میں ہے۔

توضیح:

عقیدہ کی مثال عدد کی ہے جو اصل ہے اور عمل کی مثال صفر کی ہے جو کہ فرع ہے۔ اور عدد اور صفر میں چند فرق ہیں:

[1]: عدد صفر کے بغیر ایک بھی ہو تو اس کی قیمت ہے اور صفریں عدد کے بغیر جتنی بھی ہوں تو بے قیمت ہیں۔ اسی طرح عقیدہ عمل کے بغیر بھی قیمتی ہے اور عمل جتنے بھی ہوں بغیر عقیدہ کے بے قیمت یعنی بغیر اجر وثواب کے ہیں۔

مثال:

مؤمن غیر صالح جس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہو، صرف ایمان ہو تو اس کی بھی قیمت ہے اور کافر صالح (جس کے پاس کچھ اچھے اعمال ہوں) کے پاس چونکہ ایمان نہیں ہے اس لیے اس کے جتنے بھی اعمال ہوں وہ بے قیمت ہیں۔

[2]: صفر کے ساتھ عدد آئے تو صفر کی قیمت بن جاتی ہے اور عدد کے ساتھ صفر آئے تو عدد کی قیمت بڑھ جاتی

ہے۔ اسی طرح عمل اگر عقیدے کے ساتھ ہو تو عمل کی قیمت بن جاتی ہے اور عقیدے کے ساتھ عمل ہو تو عقیدے کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔

مثال:

کافر کے عمل کے ساتھ اگر ایمان شامل ہو جائے تو کافر کے عمل کی قیمت بن جاتی ہے اور مؤمن کے ایمان کے ساتھ اگر عمل بھی مل جائے تو مؤمن کے ایمان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔

[**3**]: صفر کو دائیں کے بجائے عدد کے بائیں جانب لگائیں تو صفر کی قیمت نہیں بنتی۔ اسی طرح عمل کی قیمت بھی اس وقت ہوتی ہے جب اپنے مقام پر ہو، اگر مقام بدل جائے تو عمل بے قیمت یعنی بے اجر وثواب ہو جاتا ہے۔

مثال:

اگر فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے پڑھ لی جائے تو قیمتی یعنی عند اللہ مقبول ہے کیونکہ یہ اپنے مقام پر پڑھی گئی ہے، اور اگر عین سورج نکلتے وقت پڑھی جائے غیر قیمتی یعنی عند اللہ غیر مقبول ہے، کیونکہ اب یہ اپنے مقام پر نہیں پڑھی گئی۔

[**4**]: صفر دائیں جانب ایک ہو تو بھی قیمتی ہے اور اگر بائیں جانب بہت زیادہ ہوں تو بھی بے قیمت ہیں بلکہ جتنی صفریں بڑھتی جائیں گی اتنا نقصان ہوتا جائے گا، وقت کا ضیاع، سیاہی کا ضیاع اور کاغذ کا ضیاع۔ بالکل اسی طرح عمل اپنے مقام پر تھوڑا ہو تو بھی قیمتی یعنی مفید ہو گا اور اگر اپنے مقام پر نہ ہو تو جتنا بھی زیادہ ہو بے قیمت یعنی بلا اجر وثواب بلکہ مفید ہونے کے بجائے باعثِ زجر وعذاب ہو گا۔ سنت تھوڑی بھی ہو تو مفید ہے، بدعات جتنی زیادہ ہوں اتنا نقصان ہے۔

مثال:

سورج نکلنے کے پندرہ منٹ بعد اگر آپ دو رکعت پڑھیں گے تو نمازِ اشراق ہو گی جو کہ سنت ہے اور اس پر بڑا اجر ہے اور اگر سورج نکلنے کے فورا بعد دس رکعات بھی پڑھیں تو بے فائدہ اور بے قیمت بلکہ اگر اسے سنت سمجھ کر پڑھیں گے تو یہ بدعت بھی ہو گی اور گناہ بھی بہت زیادہ ہو گا۔

فرق نمبر2:

عقیدہ کا محل "دل" اور عمل کا محل "بدن" ہے، جو فرق دل اور بدن میں ہے وہی عقیدہ اور عمل میں ہے اور یہ دو فرق ہیں:

[1]: جو چیز جتنی قیمتی ہو اس کے رکھنے کا محل بھی اتنا محفوظ ہوتا ہے اور جو اس سے نسبتاً کم ہو اس کے رکھنے کا محل بھی نسبتاً کم محفوظ ہوتا ہے۔

مثال:

- سونا، جواہرات اور زیادہ قیمتی ہوتا ہے تو اسے تالا لگا کر باہر محافظ کھڑا کیا جاتا ہے۔
- کپڑا، جو تا قیمت میں زیادہ ہے تو اندر رہوتا ہے۔
- سبزی؛ آلو، پیاز وغیرہ قیمت میں کم ہیں تو یہ باہر پڑے ہوتے ہیں۔

عقیدہ چونکہ زیادہ قیمتی تھا اس کا محل دل کو بنایا، عمل نسبتاً کم قیمتی تھا اس کا محل اعضائے بدن کو بنایا۔

[2]: قلب کے بعض اجزاء کٹ جائیں تو بندہ مر جاتا ہے اور اعضائے جسم میں سے بعض اعضاء کٹ جائیں تو بندہ زندہ رہتا ہے اگرچہ کمزور اور ناقص ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ضروریاتِ دین میں سے کوئی ایک عقیدہ چھوٹ جائے تو بندہ ایمان سے نکل کر کفر میں چلا جاتا ہے، اور اگر ضروریات اھل السنۃ والجماعۃ میں سے کوئی ایک عقیدہ چھوٹ جائے تو بندہ اھل السنۃ والجماعۃ سے نکل کر اہلِ بدعت میں شامل ہو جاتا ہے، اور اگر کچھ اعمال چھوٹ جائیں تو بندہ مومن ہی رہتا ہے اگرچہ کمزور اور ناقص ایمان والا یعنی فاسق ہو جاتا ہے۔

ضروریاتِ دین کی مثال:

ایک بندہ سارے عقائد مانتا ہے لیکن عقیدہ توحید کو نہیں مانتا تو اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک بندہ سارے عقائد کو مانتا ہے لیکن ختم نبوت کو نہیں مانتا تو اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ کی مثال:

ایک بندہ تمام عقائد کو مانتا ہے لیکن عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا تو یہ اھل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہو کر اہلِ بدعت میں داخل ہو جاتا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت

"اعتقاد" اصل ہے، "عمل" فرع ہے۔ صحیح اعتقاد کے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات ممکن نہیں جبکہ عملِ صالح کے بغیر نجات کی امید ہے، البتہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں اور چاہیں تو قانونِ عدل سے سزا دیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت150ھ فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُوْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَلَمْ يَتُبْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتّٰى مَاتَ مُؤْمِنًا فِيْ مَشِيْئَةِ اللهِ تَعَالٰى إِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذِّبْ بِالنَّارِ أَصْلًا .

(الفقہ الاکبر: ص4)

ترجمہ: شرک اور کفر کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اگر ان کا مرتکب توبہ کیے بغیر حالتِ ایمان میں فوت ہو جائے تو ایسے شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے معاف فرما دے اور جہنم کا عذاب بالکل نہ دے۔

دلیل نمبر 1:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

(سورۃ النساء:48)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کو کبھی معاف نہیں کرتے کہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے لیکن شرک کے علاوہ اور گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

دلیل نمبر2:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُجۡرِمِیۡنَ﴾

(سورۃ الاعراف:40)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے منہ موڑا تو ایسے لوگوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں بھی داخل نہیں ہو پائیں گے جب تک کوئی اونٹ کسی سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا۔ ہم مجرموں کو ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔

دلیل نمبر3:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ وَ لِقَآئِہٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا﴾

(سورۃ الکہف:105)

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کے سامنے حاضری انکار کیا اس لیے ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے دن ہم ان کے لیے کوئی میزان قائم نہیں کریں گے۔

دلیل نمبر4:

﴿وَ لَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَکۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ﴾

(سورۃ الزمر:65)

ترجمہ: آپ کی طرف اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

فائدہ نمبر1:

اس مقام پر خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی المعروف خازن (ت 741ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَهٰذَا خِطَابٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُرَادُ بِهٖ غَيْرُهٗ لِأَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَصِمَ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشِّرْكِ.

(تفسیر الخازن: ج4 ص66)

ترجمہ: اس آیت میں خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن مراد کوئی اور (یعنی مطلق انسان) ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک سے محفوظ رکھا ہے۔

فائدہ نمبر 2:

اس آیت کا ایک مطلب یہ ہے کہ اس میں خطاب ہی امت کو ہے۔ اس پر دلیل باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ﴾ یعنی یہ وحی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجی گئی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام ہیں ان کو بھی بھیجی گئی ہے کہ ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تو یہ مشترک وحی ہے اور مقصد امت کو متنبہ کرنا ہے کہ شرک بہت عظیم جرم ہے جس سے بچنے کا حکم پہلی امتوں کو بھی تھا اور امتِ محمدیہ کو بھی ہے۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

سوال:

آپ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص کفر پر مرتا ہے تو اس کے عمل کا اجر نہیں ملے گا جبکہ قرآن کریم میں ہے:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ﴾

(سورۃ المدثر: 42 تا 44)

ترجمہ: (اہلِ جنت جب اہلِ جہنم سے پوچھیں گے کہ) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں جانا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

یہ سوال کفار سے کیا جارہا ہے کہ تم جہنم میں کیوں گئے ہو؟ کفار نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ اگر کافر کا کوئی عمل قبول ہی نہیں ہے تو پھر یہ کفار نیک اعمال نہ کرنے کو جہنم میں داخلے کا سبب کیوں قرار دے رہے ہیں؟ یعنی نیک عمل نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جانا تبھی ہو سکتا ہے جب کافر کا نیک عمل قبول بھی ہو۔

جواب:

ایک ہوتا ہے "نفسِ عذاب" اور ایک ہوتا ہے "اشتدادِ عذاب"۔ نفسِ عذاب کی بنیاد تو کفر ہے اور اشتدادِ عذاب کی بنیاد نماز نہ پڑھنا اور صدقہ نہ دینا ہے۔ تو کفر کی وجہ سے عذاب ہو گا اور نماز نہ پڑھنے اور صدقہ نہ دینے کی وجہ سے عذاب میں اضافہ ہو گا۔ کفار جو سقر میں جانے کا سبب نماز نہ پڑھنے اور صدقہ نہ کرنے کو قرار دے رہے ہیں تو اس سے مراد اشتدادِ عذاب کا سبب بتانا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) اس کا بہت عمدہ جواب دیتے ہیں:

"سقر میں دو چیزیں ہوں گی: تعذیب و زیادتِ تعذیب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعۂ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعۂ تعذیب و زیادتِ تعذیب کا اس طرح کہ کفر و تکذیب تو سبب ہو تعذیب کا اور ترکِ صلوٰۃ وغیرہ سبب ہو زیادتِ تعذیب کا، اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جاویں گے کہ ان فروع پر نفسِ تعذیب نہ ہو گی اور زیادتِ تعذیب اس لیے ہو کہ ضمنِ اصول میں تو آخر ان فروع کے بھی مکلف ہیں۔ بس تکلیفِ ضمنی سبب ہو جاوے زیادت کا۔"

(تفسیر بیان القرآن: ج3 ص611)

فائدہ:

عقیدہ ایک بھی خراب ہو تو اسلام کی ساری عمارت خراب ہو جاتی ہے۔

اِنَّ الْعَقَآئِدَ کُلَّهَا اُسٌّ لِّلْاِسْلَامِ الْفَتٰی

اِنْ ضَاعَ اَمْرٌ وَّاحِدٌ مِّنْ بَیْنِهِنَّ فَقَدْ غَوٰی

ترجمہ: "تمام عقائد انسان کے اسلام کی بنیاد ہیں، اگر ان میں سے ایک عقیدہ بھی خراب ہو جائے تو انسان گمراہ ہو

جاتا ہے۔“

خِشْت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ترجمہ: ”اگر معمار پہلی اینٹ کو ٹیڑھا رکھے تو دیوار ثریا ستارے تک ٹیڑھی جاتی ہے۔“

معرفتِ عقیدہ

عقائد کو اہمیت کے ساتھ سیکھنا ہر شخص پر لازم ہے کیونہ عقائد؛ دین کی بنیاد ہیں۔ انہی پر اسلام کی عمارت کا دارومدار ہے۔ اگر بنیاد موجود نہ ہو تو عمارت کا وجود ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر عقائد موجود نہ ہوں تو اسلام کی عمارت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت150ھ فرماتے ہیں:

وَإِذَا أُشْكِلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ فَإِنَّهٗ يَنْبَغِيْ لَهٗ أَنْ يَعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى إِلٰى أَنْ يَجِدَ عَالِمًا فَيَسْأَلَهٗ وَلَا يَسَعُهٗ تَأْخِيْرُ الطَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيْهِ وَيُكَفَّرُ إِنْ وَقَفَ فِيْهِ.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: انسان کو اگر علم توحید کے مسائل (جو ذات وصفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں) سمجھنے میں دشواری پیش آئے تو اسے چاہیے کہ فی الحال تو یہ عقیدہ رکھے کہ اس مسئلہ میں جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں درست ہے بس میرا بھی وہی عقیدہ ہے تاوقتیکہ اسے کوئی عالم مل جائے تو اس سے صحیح عقیدہ معلوم کر لے۔ اس کے لیے ان مسائل میں کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص ان مسائل میں توقف اختیار کرے تو اس کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہو گا بلکہ اس بارے میں توقف کرنے والے شخص پر فتویٰ کفر لگایا جائے گا۔

فائدہ نمبر 1:

جس علم میں عقائد سے بحث ہو اسے "علم العقائد اور علم الکلام" کہتے ہیں، جس علم میں اعمال اور احکام سے بحث ہو اسے "علم الفقہ" کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

علم العقائد اور علم الکلام کو "الفقہ الاکبر" اور علم الفقہ کو "الفقہ الاصغر" بھی کہتے ہیں۔

علم الکلام

علم الکلام کی تعریف:

1: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

هُوَ الْعِلْمُ بِالْعَقَائِدِ الدِّيْنِيَّةِ عَنِ الْأَدِلَّةِ الْيَقِيْنِيَّةِ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام: ص5)

ترجمہ: علم الکلام وہ علم ہے جس میں دلائل یقینیہ کے ذریعہ اسلامی عقائد کا علم حاصل ہوتا ہے۔

2: مشہور مؤرخ وفقیہ ابو زید عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن خلدون المعروف ابن خلدون رحمہ اللہ ت 808ھ لکھتے ہیں:

هُوَ عِلْمٌ يَتَضَمَّنُ الْحُجَجَ عَنِ الْعَقَائِدِ الْإِيْمَانِيَةِ بِالْاَدِلَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالرَّدَّ عَلَى الْمُبْتَدِعَةِ الْمُنْحَرِفِيْنَ فِي الاِعْتِقَادَاتِ عَنْ مَذَاهِبِ السَّلَفِ وَأَهْلِ السُّنَّةِ.

(تاریخ ابن خلدون: ج1 ص458)

ترجمہ: علم الکلام وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل کے ذریعہ ایمانی عقائد کا دفاع کیا جاتا ہے اور اہل السنت، اسلاف کے عقیدہ سے انحراف کرنے والے اہل بدعت کا دلائل سے رد کیا جاتا ہے۔

فائدہ:

عقائد دو قسم کے ہیں:

1: عقائد قطعیہ: جس کی بنیاد پہ ایمان اور کفر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ انہیں "ضروریاتِ دین" بھی کہتے ہیں۔

2: عقائد ظنیہ: جس کی بنیاد پہ اھل السنۃ والجماعۃ اور اہل بدعت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ انہیں "ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ" بھی کہتے ہیں۔

پہلی تعریف فقط عقائد قطعیہ کو شامل ہے اور دوسری تعریف عقائد قطعیہ اور عقائد ظنیہ دونوں کو شامل ہے، اس لئے دوسری تعریف راجح ہے۔

علم الکلام کا موضوع:

قاضی محمد اعلی تھانوی رحمہ اللہ ت 1191ھ لکھتے ہیں:

اَلْمَعْلُوْمُ مِنْ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِهٖ اِثْبَاتُ الْعَقَائِدِ الدِّيْنِيَّةِ.

(کشاف اصطلاحات الفنون: ج1 ص23)

ترجمہ: ایسی معلومات جن سے اسلامی عقائد کو ثابت کیا جاتا ہے۔

علم الکلام کی غرض وغایت:

مشہور متکلم عضد الدین عبد الرحمن بن احمد الإیجی رحمہ اللہ ت 756ھ لکھتے ہیں:

حِفْظُ قَوَاعِدِ الدِّيْنِ وَهِيَ عَقَائِدُهٗ عَنْ أَنْ تَزَلْزَلَهَا شُبَهُ الْمُبْطِلِيْنَ.

(کتاب المواقف: المقصد الرابع مرتبتہ)

ترجمہ: عقائد کے اصولوں کو محفوظ کر کے منکرین کے شبہات کو ختم کرنا۔

علم العقائد کو علم الکلام کہنے کی وجہ:

[1]: متقدمین متکلمین جب کسی عقیدے کو بیان فرماتے تو عنوان یوں قائم کرتے: الکلام فی التوحید، الکلام فی النبوۃ وغیرہ۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

لِاَنَّ عُنْوَانَ مَبَاحِثِهٖ كَانَ قَوْلُهُمْ "اَلْكَلَامُ فِي كَذَا وَكَذَا."

(شرح العقائد النسفیۃ: ص33)

ترجمہ: اس لیے کہ علم الکلام کی مباحث کا عنوان متکلمین کا یہ قول ہوتا تھا الکلام فی کذا وکذا۔

[2]: متکلم علم کلام کے ذریعے عقائد کو اچھی طرح بیان کر سکتا ہے اور بوقت ضرورت فریق مخالف کو لاجواب بھی کر سکتا ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

لِاَنَّهٗ يُوْرِثُ قُدْرَةً عَلَى الْكَلَامِ فِي تَحْقِيْقِ الشَّرْعِيَّاتِ وَاِلْزَامِ الْخُصُوْمِ كَالْمَنْطِقِ لِلْفَلَاسِفَةِ

(شرح العقائد النسفیہ ص33)

ترجمہ: اس لیے کہ علم الکلام؛ اسلامی عقائد اور مسائل کو ثابت کرنے اور مخالف کو خاموش کرانے پر کلام (گفتگو) کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے جس طرح علم منطق؛ فلسفی مسائل میں گفتگو کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

[3]: علم الکلام وہ پہلا علم ہے جس کے سیکھنے اور سکھانے کا اہم ترین ذریعہ "کلام" ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ فرماتے ہیں:

لِاَنَّهُ اَوَّلُ مَا يَجِبُ مِنَ الْعُلُوْمِ الَّتِي اِنَّمَا تُعَلَّمُ وَتُتَعَلَّمُ بِالْكَلَامِ فَاُطْلِقَ عَلَيْهِ هٰذَا الْاِسْمُ لِذٰالِكَ ثُمَّ خُصَّ بِهٖ وَلَمْ يُطْلَقْ عَلٰى غَيْرِهٖ تَمَيُّزًا

(شرح العقائد النسفیہ ص34،33)

ترجمہ: اس لیے کہ جو علوم؛ کلام کے ذریعے سیکھے اور سکھائے جاتے ہیں علم الکلام ان میں سب سے پہلا علم ہے۔ اسی لیے اس علم پر "علم الکلام" کا لفظ بولا گیا۔ پھر "علم الکلام" کو اسی علم (عقائد) کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور دوسرے علوم پر "علم الکلام" کا استعمال چھوڑ دیا گیا تاکہ اس علم اور دیگر علوم میں امتیاز باقی رہے۔

[4]: علم الکلام میں فریقین کا گفتگو، کلام اور بحث ومباحثہ کرنا ایک لازمی امر ہے جبکہ دیگر علوم میں بحث مباحثہ ضروری نہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ فرماتے ہیں:

لِاَنَّهٗ اِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالْمُبَاحَثَةِ وَاِدَارَةِ الْكَلَامِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَغَيْرُهٗ قَدْ يَتَحَقَّقُ بِمُطَالَعَةِ الْكُتُبِ وَالتَّاَمُّلِ.

(شرح العقائد النسفیہ ص34)

ترجمہ: اس لئے کہ علم کلام؛ فریقین کے درمیان بحث مباحثہ اور گفتگو کے تبادلہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جبکہ دیگر علوم کتب کا مطالعہ اور غور وفکر کرنے سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

[5]: علوم میں سے علم الکلام کے دلائل اتنے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں گویا کہ کلام؛ علم الکلام ہی ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

لِاَنَّهٗ لِقُوَّةِ اَدِلَّتِهٖ صَارَ كَاَنَّهٗ هُوَ الْكَلَامُ دُوْنَ مَا عَدَاهُ مِنَ الْعُلُوْمِ كَمَا يُقَالُ لِلْاَقْوٰى مِنَ الْكَلَامَيْنِ "هٰذَا هُوَ الْكَلَامُ."

(شرح العقائد النسفیہ ص34)

ترجمہ: اس لیے کہ علم الکلام کے دلائل اتنے مضبوط اور قوی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے ہو گیا جیسے کلام تو صرف علم الکلام ہی ہے جس طرح دو بندوں کے کلام میں مضبوط کلام کے بارے میں کہا جاتا ہے: کلام تو ہے ہی یہی۔

علم الکلام کی اہمیت:

اپنے ایمان اور عقائد کی اصلاح فرضِ عین جبکہ ایمان وعقائد کی تفصیلات معلوم کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ اور جس علم کے ذریعہ یہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں وہ علم "علم الکلام" ہے گویا کہ علم الکلام میں مہارت حاصل کرنا اسے سیکھنا اور سکھانا فرض کفایہ ہے۔

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد المعروف غزالی رحمہ اللہ ت 505ھ لکھتے ہیں:

اَلْاِشْتِغَالُ بِهٰذَا الْعِلْمِ مِنْ فُرُوْضِ الْكِفَايَاتِ .... فَإِنْ قُلْتَ: فَلِمَ صَارَ مِنْ فُرُوْضِ الْكِفَايَاتِ وَقَدْ ذُكِرَتْ أَنَّ أَكْثَرَ الْفِرَقِ يَضُرُّهُمْ ذٰلِكَ وَلَا يَنْفَعُهُمْ؟ فَاعْلَمْ! أَنَّهٗ قَدْ سَبَقَ أَنَّ إِزَالَةَ الشُّكُوْكِ فِيْ أُصُوْلِ الْعَقَائِدِ وَاجِبَةٌ، وَاعْتِوَارَ الشَّكِّ غَيْرُ مُسْتَحِيْلٍ وَإِنْ كَانَ لَا يَقَعُ إِلَّا فِي الْأَقَلِّ. ثُمَّ الدَّعْوَةُ إِلَى الْحَقِّ بِالْبُرْهَانِ مُهِمَّةٌ فِي الدِّيْنِ. ثُمَّ لَا يُبْعَدُ أَنْ يَّثُوْرَ مُبْتَدِعٌ وَيَتَصَدّٰى لِإِغْوَاءِ أَهْلِ الْحَقِ بِإِفَاضَةِ الشُّبْهَةِ فِيْهِمْ. فَلَا بُدَّ مِمَّنْ يُقَاوِمُ شُبْهَتَهٗ بِالْكَشْفِ وَيُعَارِضُ إِغْوَاءَهٗ بِالتَّقْبِيْحِ. وَلَا يُمْكِنُ ذٰلِكَ إِلَّا بِهٰذَا الْعِلْمِ وَلَا تَنْفَكُّ الْبِلَادُ عَنْ أَمْثَالِ هٰذِهِ الْوَقَائِعِ. فَوَجَبَ أَنْ يَّكُوْنَ فِيْ كُلِّ قَطْرٍ مِنَ الْأَقْطَارِ وَصَقْعٍ مِنَ الْأَصْقَاعِ قَائِمٌ بِالْحَقِّ مُشْتَغِلٌ بِهٰذَا الْعِلْمِ يُقَاوِمُ دُعَاةَ الْمُبْتَدِعَةِ وَيَسْتَمِيْلُ الْمَائِلِيْنَ عَنِ الْحَقِّ وَيُصَفِّيْ قُلُوْبَ أَهْلِ السُّنَّةِ عَنْ عَوَارِضِ الشُّبْهَةِ.

(الاقتصاد فی الاعتقاد: ص4 التمہید الثالث)

ترجمہ: علم الکلام کا سیکھنا، سکھانا فرض کفایہ ہے۔ سوال: علم کلام کا سیکھنا کیوں فرض کفایہ ہے حالانکہ اکثر فرقوں

کو اس سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عقائد میں شکوک و شبہات کا ازالہ کرنا ضروری ہے اور کچھ نہ کچھ شک وشبہ پیش آنا نا ممکن نہیں اگرچہ یہ شکوک وشبہات بہت کم ہی پیش آتے ہیں۔ اسی طرح دلائل کے ساتھ صحیح عقائد کی طرف دعوت دینا بھی ایک اہم دینی ذمہ داری ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی جگہ کوئی بدعتی اہلِ حق کے دلوں میں شبہات ڈالنے اور انہیں گمراہ کرنے کی نیت سے سرگرم ہو، لہٰذا ایسے افراد کی موجودگی ضروری ہے جو اہل بدعت کے شبہات کا دلائل سے جواب دیں اور دلائل کے ساتھ اس کی گمراہی لوگوں کے سامنے واضح کریں اور یہ کام علم کلام کے بغیر ممکن نہیں۔ اکثر شہروں میں اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں (کہ گمراہ لوگ شکوک وشبہات کی وجہ سے عوام کو اہل حق سے دور اور بدظن کرتے ہیں)، لہٰذا ہر شہر، ہر جگہ ایسے افراد کی موجودگی ضروری ہے، جو خود حق پر قائم رہ کر کر علم کلام کو سیکھیں اور حق سے اعراض کرنے والے، اہلِ بدعت کا مقابلہ کر کے اُنہیں حق کی طرف توجہ دلائیں اور عوامِ اھل السنۃ کے دلوں کو شبہات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

علم الکلام کی فضیلت:

عبادات کی قبولیت عقائد کی درست ہونے پر موقوف ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

وَبِالْجُمْلَةِ هُوَ اَشْرَفُ الْعُلُوْمِ لِكُوْنِهٖ اَسَاسَ الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ وَ رَئِيْسَ الْعُلُوْمِ الدِّيْنِيَّةِ وَكَوْنِ مَعْلُوْمَاتِهِ الْعَقَائِدَ الْاِسْلَامِيَّةَ وَغَايَتِهِ الْفَوْزَ بِالسَّعَادَاتِ الدِّيْنِيَّةِ وَالدُّنْيَوِيَّةِ وَ بَرَاهِيْنِهِ الْحُجَجَ الْقَطْعِيَّةَ الْمُؤَيَّدَ اَكْثَرُهَا بِالْاَدِلَّةِ السَّمْعِيَّةِ.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص10)

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم الکلام تمام علوم سے زیادہ عظمت والا ہے کیونکہ

1: علم الکلام تمام احکامِ شرعیہ (مسائل فقہیہ) کی بنیاد ہے

2: علم الکلام؛ علوم دینیہ (تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور تصوف وغیرہ) کا سردار ہے۔

3: علم الکلام میں اسلامی عقائد کو بیان کیا جاتا ہے۔

4: علم الکلام کا مقصود؛ دینی اور دنیوی سعادات کا پانا ہے۔

5: علم الکلام کے براہین؛ ایسے قطعی دلائل ہیں جن میں سے اکثر کی تائید دلائل نقلی سے ہوتی ہے۔

سوال:

اگر علم الکلام اتنی فضیلت والا ہے تو اسلاف اس کو حاصل کرنے سے منع کیوں کرتے ہیں ؟اور علم الکلام حاصل کرنے والے پہ تنقید کیوں کرتے ہیں؟

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب القاضی (ت 182ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ تَكَلَّمَ تَزَنْدَقَ.

(النبراس شرح شرح العقائد للعلامۃ عبد العزیز فرہاروی: ص23)

ترجمہ: علم الکلام میں مشغول رہنے والا زندیق ہے۔

جواب:

اسلاف سے جو ایسی باتیں منقول ہیں وہ ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ مخصوص افراد کے بارے میں ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ فرماتے ہیں:

وَمَا نُقِلَ عَنِ السَّلَفِ مِنَ الطَّعْنِ فِيْهِ وَ الْمَنْعِ عَنْهُ فَاِنَّمَا هُوَ لِلْمُتَعَصِّبِ فِي الدِّيْنِ وَالْقَاصِرِ عَنْ تَحْصِيْلِ الْيَقِيْنِ وَ الْقَاصِدِ اِلٰى اِفْسَادِ عَقَائِدِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْخَائِضِ فِيمَا لَا يَفْتَقِرُ اِلَيْهِ مِنْ غَوَامِضِ الْمُتَفَلْسِفِيْنَ وَاِلَّا فَكَيْفَ يُتَصَوَّرُ الْمَنْعُ عَمَّا هُوَ اَصْلُ الْوَاجِبَاتِ وَاَسَاسُ الْمَشْرُوْعَاتِ.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص10)

ترجمہ: علم الکلام کے بارے میں اسلاف سے طعن اور روکنا جو منقول ہے وہ اس شخص کے بارے ہے جو

1: دین میں متعصب اور ضدی ہو۔

2: یقین حاصل کرنے سے قاصر ہو۔

3: مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

4: فلاسفہ کی ان باریکیوں میں مصروف ہونے والا ہو جن کی ضرورت نہیں ہے

ورنہ اسلاف ایسے علم کے حصول سے کیسے منع کرسکتے ہیں جو تمام واجبات کی اصل اور تمام احکام شرعیہ کی بنیاد ہے۔

فائدہ:

یہ بالکل ایسے ہے جس طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے حماد کو مناظرہ کرنے سے منع کیا تھا اور خود مناظرے بھی کئے۔

امام ابوالمؤید موفق بن احمد الخوارزمی المکی الحنفی (ت568ھ) نقل کرتے ہیں:

وَقَالَ حَمَّادُ بْنُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ : دَخَلَ عَلَيَّ أَبِيْ رَحِمَهُ اللهُ يَوْمًا وَعِنْدِيْ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِ الْكَلَامِ ،وَنَحْنُ نَتَنَاظَرُ فِيْ بَابٍ، قَدْ عَلَتْ أَصْوَاتُنَا.فَلَمَّا سَمِعْتُ حِسَّهٗ فِي الدَّارِ خَرَجْتُ إِلَيْهِ

فَقَالَ لِيْ: يَا حَمَّادُ! مَنْ عِنْدَكَ؟

قُلْتُ: فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ، سَمَّيْتُ مَنْ كَانَ عِنْدِيْ،

قَالَ: وَفِيْمَ اَنْتُمْ ؟

قُلْتُ: فِيْ بَابِ كَذَا وكَذَا،

فَقَالَ لِيْ: يَا حَمَّادُ! دَعِ الْكَلَامَ،

قَالَ: وَلَمْ أَعْهَدْ أَبِيْ صَاحِبَ تَخْلِيْطٍ وَلَا مِمَّنْ يَأْمُرُ بِالشَّيْئِ ثُمَّ يَنْهٰي عَنْهُ،

فَقُلْنَا لَهٗ : يَا أَبَتِ! أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُنِيْ بِهٖ ؟

قَالَ : بَلٰى يَا بُنَيَّ! وَأَنَا الْيَوْمَ أَنْهَاكَ عَنْهُ،

قُلْتُ : وَلِمَ ذَاكَ ؟

فَقَالَ : يَا بُنَيَّ إِنَّ هٰؤُلَاءِ الْمُخْتَلِفِيْنَ فِي اَبْوَابٍ مِنَ الْكَلَامِ مِمَّنْ تَرىٰ كَانُوْا عَلٰى قَوْلٍ وَاحِدٍ وَدِيْنٍ وَاحِدٍ حَتّٰى نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنَهُمْ فَأَلْقٰى بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالِاخْتِلَافَ فَتَبَايَنُوْا.

(مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ واکرم: ج1 ص207، 208)

ترجمہ: امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے والد صاحب تشریف لائے، اس وقت میرے

پاس متکلمین کی ایک جماعت بیٹھی تھی اور ہم ایک مسئلہ میں مناظرہ کر رہے تھے، ہماری آواز بلند ہوئی۔ جب میں نے اپنے والد صاحب کی آہٹ کو سنا تو میں باہر نکلا۔ والد صاحب نے مجھے فرمایا:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: آپ کے پاس کون بیٹھا ہے؟

امام حماد رحمہ اللہ: فلاں فلاں علماء۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: تم لوگ کس چیز کے متعلق گفتگو کر رہے تھے؟

امام حماد رحمہ اللہ: فلاں موضوع کے متعلق

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: بیٹا حماد! مناظرے چھوڑ دو۔

امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب بات کو خلط ملط نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ایسا کرتے کہ ایک دن کسی کام کا حکم دیں اور دوسرے دن اسی سے منع کر دیں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا:

امام حماد رحمہ اللہ: ابا جان! آپ نے خود مجھے علم الکلام حاصل کرنے کا حکم دیا تھا، اب منع کیوں فرما رہے ہیں؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: بالکل حکم دیا تھا مگر آج روک رہا ہوں۔

امام حماد رحمہ اللہ: ابا جان! روکنے کی وجہ کیا ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: بیٹا! آج جو عقائد کے بارے میں تمہیں اختلاف نظر آرہا ہے ایک وقت تھا جب لوگ ایک ہی عقیدہ پر تھے، شیطان نے ان کو آپس میں لڑایا اور عقائد کے معاملہ انہیں مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا۔

ائمہ علم الکلام

(1):امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ت 150ھ

نام ونَسَب

اَبُوْ حَنِیْفَۃَ نُعْمَانُ بْنُ ثَابِتِ بْنِ نُعْمَانَ بْنِ الْمَرْزُبَانِ.

ولادت

سن 80 ہجری میں شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ؛اول مدون فقہ اسلامی

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

مِنْ مَنَاقِبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ الَّتِي انْفَرَدَ بِهَا أَنَّهٗ أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيْعَةِ وَرَتَّبَهٗ أَبْوَابًا ثُمَّ تَابَعَهٗ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِيْ تَرْتِيْبِ الْمُؤَطَّا وَلَمْ يَسْبِقْ أَبَا حَنِيْفَةَ أَحَدٌ.

تبییض الصحیفۃ للسیوطی: ص138

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خصوصی مناقب میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اسے مرتب فرمایا ہے، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے موطا میں آپ کی پیروی کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ؛اول متکلم

امام استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر التیمی البغدادی (ت 429ھ) لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيْهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُوْ حَنِيْفَةَ.

(کتاب اصول الدین: ص308)

ترجمہ: فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم امام ابو حنیفہ ہیں۔

الفقہ الاکبر؛ علم الکلام میں اول تصنیف

ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السلهتی (بنگالی) لکھتے ہیں:

كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيْدِ اَصْلَ اُصُوْلِ الدِّيْنِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيْلُ الَّذِىْ صَنَّفَهُ الْاِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ بِ "الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ" اَوَّلَ تَصْنِيْفٍ.

(الدرالازھر فی شرح الفقہ الاکبر: ص2)

ترجمہ: علم توحید؛ دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جسے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام "الفقہ الاکبر" رکھا عقائد کے باب میں پہلی تصنیف ہے۔

وفات

آپ کی وفات سن 150 ہجری میں بغداد میں ہوئی اور بغداد کے مقبرہ "خیزران" میں مدفون ہوئے۔

تالیفات وتصنیفات

1: کتاب الآثار بروایت امام زفر بن ھذیل

2: کتاب الآثار بروایت امام ابی یوسف القاضی

3: کتاب الآثار بروایت امام محمد بن الحسن الشیبانی

4: کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد اللؤلوی

5: الفقہ الاکبر بروایۃ امام حماد بن ابی حنیفۃ

6: الفقہ الاکبر (المعروف الفقہ الابسط) بروایۃ امام ابی مطیع البلخی

7: الرسالۃ الی عثمان البتّیؒ

8: کتاب العالم والمتعلم

9: کتاب المجرد فی الفقہ

10: کتاب الرھن

11: کتاب الفرائض

12: کتاب الشروط

13: کتاب الصلوٰۃ

14: المقصود فی التصریف

15: کتاب اختلاف الصحابۃ رضی اللہ عنہم

16: کتاب السیر

17: کتاب الرد علی القدریۃ

18: کتاب الوصیۃ

(2): امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الشافعی رحمہ اللہ ت 324ھ

[1]: 260 ہجری میں "بصرہ" میں پیدا ہوئے۔

[2]: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، قبیلہ اشعر کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو اشعری کہتے ہیں۔

[3]: بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں ان کی والدہ کا نکاح مشہور معتزلی "محمد بن عبد الوھاب بن سلام المعروف ابو علی جُبَّائی" (ت 303ھ) سے ہو گیا۔

[4]: آپ نے "فن مناظرہ اور علم الکلام" ابو علی جُبَّائی کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا لیکن نہایت سلیم الطبع اور سلیم الفطرت ہونے کی وجہ سے معتزلہ کی رکیک اور بعید از عقل تاویلات کی وجہ سے مسلک اھل السنۃ والجماعۃ کو قبول کیا اور تاحیات عقائد اھل السنۃ والجماعۃ کے اثبات اور معتزلہ کی تردید میں دلائل دیتے رہے۔ معتزلہ کے نظریہ "اصلح للعباد اللہ پاک پر واجب ہے" پر ابو علی جبائی معتزلی سے مناظرہ کیا اور اسے شکست بھی دی۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

قَالَ الشَّیْخُ اَبُو الْحَسَنِ الْاَشْعَرِیُّ لِاُسْتَاذِہٖ اَبِی عَلِیِّ نِ الْجِبَائِیِّ

مَا تَقُوْلُ فِیْ ثَلَاثَۃِ اِخْوَۃٍ مَاتَ اَحَدُھُمْ مُطِیْعًا، وَالْاٰخَرُ عَاصِیًا، وَالثَّالِثُ صَغِیْرًا؟

فَقَالَ: اِنَّ الْاَوَّلَ یُثَابُ فِی الْجَنَّۃِ وَالثَّانِیَ یُعَاقَبُ بِالنَّارِ وَالثَّالِثَ لَایُثَابُ وَلَا یُعَاقَبُ.

فَقَالَ الْاَشْعَرِیُّ: فَاِنْ قَالَ الثَّالِثُ: یَا رَبِّ! لَمَ اَمَتَّنِیْ صَغِیْرًا وَمَا اَبْقَیْتَنِیْ اِلٰی اَنْ اَکْبُرَ فَأُؤْمِنَ بِکَ وَاُطِیْعَکَ فَاَدْخُلَ الْجَنَّةَ. فَمَاذَا یَقُوْلُ الرَّبُّ؟

فَقَالَ: یَقُوْلُ الرَّبُّ: اِنِّیْ کُنْتُ اَعْلَمُ مِنْکَ اَنَّکَ لَوْ کَبُرْتَ لَعَصَیْتَ فَدَخَلْتَ النَّارَ فَکَانَ الْاَصْلَحُ لَکَ اَنْ تَمُوْتَ صَغِیْرًا.

فَقَالَ الْاَشْعَرِیُّ: فَاِنْ قَالَ الثَّانِیْ: یَا رَبِّ لِمَ لَمْ تُمِتْنِیْ صَغِیْرًا لِئَلَّا اَعْصِیَ لَکَ فَلَا اَدْخُلَ النَّارَ فَمَاذَا یَقُوْلُ الرَّبُّ؟

فَبُهِتَ الْجُبَائِیُّ وَتَرَکَ مَذْهَبَهٗ وَاشْتَغَلَ هُوَ وَمَنْ تَبِعَهٗ بِاِبْطَالِ رَأْیِ الْمُعْتَزِلَةِ وَاِثْبَاتِ مَاوَرَدَ بِهِ السُّنَّةُ وَمَضٰی عَلَیْهِ الْجَمَاعَةُ فَسَمُّوْا اَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

(شرح العقائد النسفیہ ص36 تا38)

ترجمہ: امام ابو الحسن اشعری نے اپنے استاد ابو علی جبائی سے پوچھا:

اشعری: ان تین بھائیوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جن میں سے ایک فرمانبردار، دوسرا نافرمان اور تیسرا بچپن کی حالت میں فوت ہو گیا۔

جبائی: پہلے (فرمانبردار) کو جنت میں ثواب دیا جائے گا، دوسرے (نافرمان) کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا اور تیسرے (بچپن میں فوت ہونے والے) کو نہ ثواب دیا جائے گا نہ عذاب۔

اشعری: اگر تیسرا بھائی یہ کہے کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے بچپن میں وفات کیوں دی؟ مجھے بڑی عمر تک باقی کیوں نہیں رکھا؟ میں بڑا ہوتا، ایمان لے آتا، آپ کی اطاعت کرتا اور جنت میں داخل ہو جاتا تو اللہ کیا جواب دیں گے؟

جبائی: اللہ فرمائیں گے کہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تو بڑا ہوتا تو نافرمانی کرتا اور جہنم میں چلا جاتا۔ تیرے لئے یہی بہتر تھا کہ تو بچپن میں فوت ہو جائے۔

اشعری: اگر ان میں سے دوسرا یہ کہے کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے بچپن میں موت کیوں نہیں دی تاکہ میں آپ کی نافرمانی نہ کرتا اور جہنم میں نہ جاتا۔ تو اللہ اس کا کیا جواب دیں گے؟

اس پر ابو علی جبائی لاجواب ہو گیا۔ جس پر امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے معتزلہ کا مذہب چھوڑا۔ آپ اور آپ کے ماننے والے حضرات معتزلہ کے عقائد کی تردید میں مصروف ہو گئے اور جو کتاب و سنت سے عقائد ثابت ہیں اور جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا نظریہ تھا انہیں ثابت کرنے میں مشغول ہو گئے اور ان کا نام "اھل السنۃ والجماعۃ" رکھا گیا۔

[5]: امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ فروع میں امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ ت 204ھ کے مقلد تھے۔

[6]: شیخ خیر الدین بن محمود بن محمد الزِّرِکْلی ت 1396ھ لکھتے ہیں:

بَلَغَتْ مُصَنَّفَاتُهٗ ثَلَاثَمِئَةِ كِتَابٍ.

(الاعلام ج5ص69)

ترجمہ: امام ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ کی تصنیفات کی تعداد تین سو (300) کے پہنچ جاتی ہیں۔

[7]: چند مشہور کتب یہ ہیں:

- اَلْفُصُوْلُ
- اَلْمُوْجِزُ
- كِتَابٌ فِي خَلْقِ الْاَعْمَالِ
- كِتَابٌ فِي الْاِسْتِطَاعَةِ
- كِتَابٌ كَبِيْرٌ فِي الصِّفَاتِ
- كِتَابٌ فِي جَوَازِ رُؤْيَةِ اللّٰهِ بِالْاَبْصَارِ
- كِتَابٌ فِي الرَّدِّ عَلَى الْمُجَسِّمَةِ
- مَقَالَاتُ الْاِسْلَامِيِّيْنَ وَ اخْتِلَافُ الْمُصَلِّيْنَ
- كِتَابٌ فِي الرُّؤْيَةِ
- مُخْتَصَرُ مَدْخَلٍ اِلَى الشَّرْحِ وَالتَّفْصِيْلِ.

[8]: سن 324 ہجری میں انتقال فرمایا۔

(3): امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی رحمہ اللہ ت 333ھ:

[1]: آپ رحمہ اللہ ماوراء النہر سمرقند کے ایک گاؤں "ماترید" میں پیدا ہوئے۔ اس گاؤں کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ کو "ماتریدی" کہتے ہیں۔

[2]: آپ رحمہ اللہ نے معتزلہ کے رد اور اھل السنۃ والجماعۃ کے افکار کی تائید میں راہِ اعتدال اختیار فرمائی۔

[3]: فروع میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ کے مقلد تھے۔

[4]: آپ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔ چند مشہور کتب یہ ہیں:

- تأویلات اھل السنۃ والجماعۃ،
- کتاب التوحید
- کتاب ردّ اوائل الادلّۃ للکعبی
- کتاب بیان وَھْم المعتزلۃ
- کتاب المقالات
- کتاب ردّ وعید الفُسّاق للکعبی
- کتاب ردّ تھذیب الْجَدَل
- کتاب ردّ الاصول الخَمسہ للباھِلی
- کتاب ردّ الاِمامۃ لبعض الروافض
- کتاب الردّ علی اصول القَرامطۃ
- کتاب الجَدل

[5]: آپ محدث زمانہ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ ت 321ھ کے ہم عصر تھے۔

[6]: 333 ہجری میں وفات پائی۔

فائدہ نمبر 1:

اس امت میں بہت سے متکلمین گزرے ہیں جنہوں نے علم الکلام میں تصانیف لکھیں اور اھل السنۃ

والجماعۃ کے اعتقادات کی توضیح فرمائی جیسے

امام ابو بکر محمد بن طیب الباقلانی المالکی (ت 403ھ)،

امام ابو زید عبید اللہ بن عمر بن عیسیٰ الدبوسی الحنفی (ت 432ھ)،

امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن ابی محمد عبد اللہ الجُوَینی النیشاپوری الشافعی (ت 478ھ)،

امام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد الغزالی الشافعی (ت 505ھ)،ء

امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی (ت 537ھ)،

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی (ت 604ھ)،

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی الحنفی (ت 792ھ)،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی الحنفی (ت 1176ھ) رحمہم اللہ وغیرہ

لیکن ہم نے یہاں تین ائمہ علم الکلام امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (ت 150ھ)، امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الشافعی (ت 324ھ) اور امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی (ت 333ھ) رحمہم اللہ کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ یہ تینوں حضرات علم الکلام کی بنیاد ہیں۔

بالکل اسی طرح جیسے اس امت میں مجتہدین کئی گزرے ہیں جیسے

امام عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ الانصاری (ت 83ھ)،

امام سعید بن المسیب (ت 94ھ)،

امام لیث بن سعد بن عبد الرحمٰن (ت 94ھ)،

امام ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی (ت 96ھ)،

امام عامر بن شراحیل شعبی الکوفی (ت 104ھ)،

امام قاسم بن محمد بن ابی بکر المدنی (ت 108ھ)،

امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ (ت 161ھ) وغیرہ

لیکن ان میں سے صرف چار ائمہ؛ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ)، امام مالک بن

انس المدنی (ت 179ھ)، امام محمد بن ادریس الشافعی (ت 204ھ) اور امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ) رحمہم اللہ کا تذکرہ اہمیت کے ساتھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ یہی چار مجتہدین امت میں فقہی مذاہب کی ترویج اور تقلید کی بنیاد ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

عقائد میں ائمہ اربعہ اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اتفاق ہے کیونکہ عقائد کا جو اختلاف ہوتا ہے یا یہ اسلام سے نکالتا ہے یا سنت سے نکالتا ہے یعنی آدمی کافر فی العقیدہ ہوتا ہے یا مبتدع فی العقیدہ ہوتا ہے اور اور یہاں اختلاف کے باوجود ہم کسی کو کافر اور مبتدع نہیں کہتے کیونکہ جو اسلام سے کفر یا سنت سے بدعت کی طرف اختلاف لے جائے وہ اختلاف حقیقی ہوتا ہے اور یہاں اختلاف حقیقی نہیں ہے بلکہ نزاع لفظی ہے تو نزاع لفظی کا حکم اور ہوتا ہے اور نزاع حقیقی کا حکم اور ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 3:

نزاع حقیقی:

نزاعِ حقیقی میں حقائق و نظریات کا اختلاف ہوتا ہے جیسے اہل حق کا عقیدہ ہے کہ ثواب و عذاب قبر برحق ہے اس کے مقابلہ میں یہ عقیدہ رکھنا کہ قبر میں ثواب و عذاب نہیں ہوتا یہ "نزاع حقیقی" کہلاتا ہے۔

نزاع لفظی:

نزاع لفظی میں نظریہ میں اتفاق اور تعبیرات کا اختلاف ہوتا ہے۔ جیسے اھل السنۃ والجماعۃ متکلمین اور صوفیاء کا موقف یہ ہے کہ دنیا میں احوال راحت و تکلیف اَصالۃً اور اَصلاً جسم پر آتے ہیں اور تبعاً اور ضمناً روح پر آتے ہیں۔ اور موت کے بعد احوال (ثواب و عذاب) اَصالۃً اور اَصلاً روح پر آتے ہیں اور تبعاً اور ضمناً جسم پر آتے ہیں لیکن متکلمین اھل السنۃ والجماعۃ روح کو "روح" جبکہ صوفیاء اھل السنۃ والجماعۃ روح کو "جسدِ مثالی" کا نام دیتے ہیں کیونکہ روح متشکل بجسد العنصری ہو جاتی ہے۔ اور اس بناء پر وہ یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں کہ ثواب و عذاب جسم مثالی کو دیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ؛ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے وہ صوفیہ کے نزدیک بدن مثالی سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے"

(تفسیر عثمانی سورۃ بنی اسرائیل آیت 85)

شبہ:

آپ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں یا ابو الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی رحمہا اللہ کے؟ اگر آپ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں تو پھر خود کو اشعری اور ماتریدی کیوں کہتے ہیں؟

جواب:

ہم اصول و فروع میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی کے مقلد ہیں۔ لیکن وہاں اصول کا معنی عقائد نہیں ہے بلکہ اصول سے مراد وہ قوانین ہیں جن سے فروع کا استنباط ہوتا ہے اور فروع سے مراد مسائل ہیں۔

باقی امام ابو الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کی طرف نسبت؛ تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے دور میں فرقہ معتزلہ وغیرہ نے عقائد کی ایسی تشریحات کی تھیں جو اھل السنۃ والجماعۃ کے اعتقادات کے خلاف تھیں تو ان دو حضرات نے معتزلہ وغیرہ کا رد کر کے اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی صحیح ترجمانی کی۔ اس لیے ہم ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اشعری اور ماتریدی نسبت معتزلہ کے مقابلہ میں ہے نہ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقابلے میں جیسا کہ "دیوبندی" نسبت تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ احناف کی صحیح ترجمانی کی وجہ سے ہے۔

فائدہ:

لفظ "اصول" کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے:

1: کبھی لفظ اصول؛ ان قواعد و کلیات کے لئے استعمال ہوتا ہے جن سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ اور مستنبَط شدہ فقہی مسائل کو فروع کہتے ہیں۔

2: کبھی لفظ اصول؛ عقائد کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں فروع آتا ہے تو اس سے مراد اعمال ہوتے ہیں۔

3: کبھی لفظ اصول؛ مطلقاً قواعد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد اس فن کے وہ قوانین و کلیات ہوتے ہیں جن پر اس فن کی بنیاد ہوتی ہے۔

(تنقیحات متکلمِ اسلام)

فرقہ معتزلہ کی ابتداء:

امام حسن بصری رحمہ اللہ (ت 110ھ) کی درس گاہ کے ایک شاگرد "ابو حذیفہ واصل بن عطاء غَزَّال" (ت 131ھ) نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ مرتکب کبیرہ (کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا) ایمان سے نکل جاتا ہے، مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا، تو امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: "قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا" (یہ شخص ہم سے جدا ہو گیا) اس وجہ سے ان کا نام معتزلہ رکھا گیا اور یہ خود کو "اصحاب العدل والتوحید" کہتے تھے۔

امام سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

لِاَنَّ رَئِيْسَهُمْ وَاصِلَ بْنَ عَطَاءٍ اعْتَزَلَ عَنْ مَجْلِسِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ رَحِمَهُ اللهُ وَيُقَرِّرُ اَنَّ مَنِ ارْتَكَبَ الْكَبِيْرَةَ لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ وَلَا كَافِرٍ وَيُثْبِتُ الْمَنْزِلَةَ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ فَقَالَ الْحَسَنُ: قَدِاعْتَزَلَ عَنَّا. فَسُمُّوْاالْمُعْتَزِلَةَ وَهُمْ سَمُّوْااَنْفُسَهُمْ "اَصْحَابَ الْعَدْلِ وَالتَّوْحِيْدِ."

(شرح العقائد النسفیۃ: ص10)

ترجمہ: فرقہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء؛ امام حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس سے یہ نظریہ اختیار کرتے ہوئے الگ ہوا کہ جس بندے نے گناہ کبیرہ کیا وہ نہ مسلمان ہے اور نہ کافر۔ واصل بن عطاء ایمان اور کفر کے درمیان تیسرے درجے کو ثابت کر رہا تھا تو امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ شخص ہم سے جدا ہو گیا ہے۔ اس لئے ان کا نام "معتزلہ" رکھا گیا اور خود انہوں نے اپنا نام "اصحاب العدل والتوحید" رکھا۔

عقائد کی اقسام

جو عقائد اھل السنۃ والجماعۃ کی کتب میں مذکور ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔

1: عقائد قطعیہ

2: عقائد ظنیہ

عقائد قطعیہ:

وہ عقائد جن کی بنیاد پر ایمان اور کفر کا فیصلہ ہو، جنہیں ماننے والے مومن اور نہ ماننے والے کافر ہوں۔ انہیں "ضروریاتِ دین" بھی کہتے ہیں۔

عقائد ظنیہ:

وہ عقائد جن کی بنیاد پر اھل السنۃ والجماعۃ اور اہل بدعت کا فیصلہ ہو، جنہیں ماننے والے اھل السنۃ والجماعۃ اور نہ ماننے والے اہل بدعت ہوں۔ انہیں "ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ" بھی کہتے ہیں۔

فائدہ:

عقائد قطعیہ کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی ضروری ہے جبکہ عقائد ظنیہ کے ثبوت کے لئے دلیل ظنی بھی کافی ہے۔

دلیل قطعی:

اس دلیل کو کہتے ہیں جس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کا معنی و مفہوم بھی قطعی اور یقینی ہو۔

ان کی تین قسمیں ہیں:

(1): قرآن کریم کی غیر مؤول آیات

(2): احادیث متواترہ

(3): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

[1]: قرآن کریم

شیخ احمد المعروف ملاجیون رحمہ اللہ ت1130ھ فرماتے ہیں:

اَلْقُرْاٰنُ اَلْمُنَزَّلُ عَلَى الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامِ اَلْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ اَلْمَنْقُوْلُ عَنْهُ نَقْلًا مُّتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ.

(نورالانوار: ص9، 10)

ترجمہ: قرآن (خدا تعالیٰ کا وہ پاک کلام ہے) جو رسول علیہ السلام پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل متواتر سے منقول ہوا۔

مثال:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (١) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (٢) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (٣)﴾

(سورۃ الاخلاص)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے کسی کو جنا، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔

قرآن مجید چونکہ تواتر سے ثابت ہے اس لیے یہ آیت قطعی الثبوت ہے۔ نیز اس آیت میں "اَحَدٌ" کی مراد بھی بالکل واضح ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ کسی کا باپ بیٹا ہونے سے بالکل پاک ذات ہے۔

فائدہ: عقائد قطعیہ کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی وہ آیت دلیل قطعی کہلائے گی جس کی دلالت بھی اپنے معنی پر قطعی ہو۔

[2]: حدیثِ متواتر

امام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص (ت370ھ) لکھتے ہیں:

اَلْمُتَوَاتِرُ مَا تَنْقُلُهٗ جَمَاعَةٌ لِكَثْرَةِ عَدَدِهَا لَا يَجُوزُ عَلَيْهِمْ فِي مِثْلِ صِفَتِهِمُ الِاتِّفَاقُ وَالتَّوَاطُؤُ فِي مَجْرَى الْعَادَةِ عَلَى اخْتِرَاعِ خَبَرٍ لَا أَصْلَ لَهٗ.

(الفصول فی الاصول: ج3ص37)

ترجمہ: حدیث متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو نقل کرنے والی جماعت اتنی بڑی ہو کہ اس کا کسی بے بنیاد خبر پر اتفاق کر لینا عادۃً محال ہو۔

فائدہ:

حدیث متواتر کی دو قسمیں ہیں:

متواتر لفظی:

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ مَا تَوَاتَرَ لَفْظُهٗ.

(تدریب الراوی للسیوطی: ج2 ص162)

ترجمہ: متواتر لفظی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ تواتر سے منقول ہوں۔

مثال:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ."

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 1291)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ پر جھوٹ بولنا اس طرح نہیں جیسے ایک عام آدمی پر جھوٹ بولنا ہوتا ہے، (بلکہ) جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) اس حدیث کو متواتر شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِنَّهٗ مُتَوَاتِرٌ ذَكَرَ أَبُو بَكْرٍ الْبَزَّارُ فِيْ مُسْنَدِهٖ أَنَّهٗ رَوَاهُ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحْوٌ مِنْ أَرْبَعِينَ نَفْسًا مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ..... وَذَكَرَ بَعْضُ الْحُفَّاظِ أَنَّهٗ رُوِيَ عَنِ اثْنَيْنِ وَسِتِّينَ صَحَابِيًّا

وَفِيهِمُ الْعَشَرَةُ الْمَشْهُودُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ .

(شرح مسلم للنووی: ج1 ص8)

ترجمہ: یہ حدیث (مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا) متواتر ہے۔ امام ابو بکر بزار رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چالیس صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ نیز بعض حفاظِ حدیث نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث باسٹھ صحابہ سے مروی ہے جن میں عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

متواتر معنوی:

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ أَنْ يَنْقُلَ جَمَاعَةٌ يَسْتَحِيلُ تَوَاطُؤُهُمْ عَلَى الْكَذِبِ وَقَائِعَ مُخْتَلِفَةً تَشْتَرِكُ فِيْ أَمْرٍ يَتَوَاتَرُ ذٰلِكَ الْقَدْرُ الْمُشْتَرِكُ.

(تدریب الراوی للسیوطی: ج2 ص162)

ترجمہ: متواتر معنوی یہ ہے کہ ایک جماعت جس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو ایسے مختلف واقعات نقل کرے جن میں پائی جانے والی قدرِ مشترک بات حد تواتر کو پہنچ گئی ہو۔

مثال: احادیثِ نزول عیسیٰ علیہ السلام

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِيْكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ."

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص166 باب قول اللہ عزوجل "إني متوفيك")

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خوشی کا اس وقت کیا عالم ہو گا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے)

شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کے متعلق لکھتے

ہیں:

وَالتَّوَاتُرُ فِيْ حَدِيْثِ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَاتُرٌ مَعْنَوِيٌّ حَيْثُ تَشَارَكَتْ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ جِدًّا.

(العقیدۃ وعلم الکلام للکوثری: ص70)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث میں پائے جانے والا تواتر؛ تواترِ معنوی ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ احادیث پائی جاتی ہیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث لفظی طور پر اگرچہ متواتر نہیں لیکن معنوی طور پر متواتر ہیں کہ قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ اس لیے اس عقیدہ کا منکر کافر ہو گا۔

[3]: اجماع

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1191ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ اتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَصْرٍ عَلٰى حُكْمٍ شَرْعِيٍّ.

(کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی: ج1 ص238)

ترجمہ: اجماع امت سے مراد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا کسی زمانہ میں کسی بھی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا ہے۔

فائدہ نمبر1: اجماع کی کئی ایک اقسام ہیں جن کی تفصیل اجماع کی بحث میں آ رہی ہے۔

فائدہ نمبر2: دلیلِ قطعی میں "اجماع" سے مراد "صحابہ رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع" ہے۔

مثال: خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع

شیخ احمد المعروف ملا جیون رحمہ اللہ (ت 1130ھ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اجماع کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمِنْهُ الْاِجْمَاعُ عَلٰى خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

(نور الانوار: ص234)

ترجمہ: اس (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قولی اجماع) کی مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہے۔

دلیل ظنی:

اس دلیل کو کہتے ہیں جس کا ثبوت یقینی نہ ہو یا اس کا مفہوم بالکل واضح نہ ہو۔

دلیل ظنی کی چار قسمیں ہیں:

(1) قطعی الثبوت ظنی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی و یقینی ہو (یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو) لیکن دلالت کے اعتبار سے یقینی نہ ہو (یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہو)

مثال: مؤول آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾

(سورۃ البقرۃ:228)

ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے وہ اپنے آپ کو تین قروء تک روکے رکھیں۔

یہاں لفظ "قُرُوْٓءٍ" میں احتمال ہے کہ اس سے مراد "طہر" کے ایام ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد "حیض" کے ایام ہوں۔ اس احتمال کی وجہ سے یہ ظنی الدلالۃ ہو گی اور چونکہ قرآن کریم کی آیت ہے اس لیے قطعی الثبوت ہو گی۔

(2) ظنی الثبوت قطعی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہو (یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو) لیکن دلالت کے اعتبار سے یقینی ہو (یعنی

اس کا مفہوم حتمی اور واضح ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو)

مثال: وہ اخبار آحاد جو کسی دوسرے معنی کا احتمال نہیں رکھتیں یعنی جن کا مفہوم قطعی ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسَ أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ يَلْتَمِسَانِ مِيرَاثَهُمَا أَرْضَهُ مِنْ فَدَكٍ وَسَهْمَهُ مِنْ خَيْبَرَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ." إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هٰذَا الْمَالِ.

(صحیح البخاری: ج2 ص576 کتاب المغازی، بَاب حَدِيثِ بَنِي النَّضِيرِ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فدک کی زمین اور خیبر کے حصے میں سے اپنی میراث لینے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا (یعنی انبیاء علیہم السلام کی جماعت) کا کوئی وارث نہیں بنتا، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اس مال سے کھا سکتے ہیں (لیکن بطور وراثت نہیں لے سکتے۔)

یہ حدیث؛ خبر واحد ہے، اس لیے کہ اس کا ثبوت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے لیکن اس کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی ہے کیونکہ اس روایت کے الفاظ "لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ." (کہ ہمارا کا کوئی وارث نہیں بنتا، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) اس معنی میں واضح اور صریح ہے کہ یہاں مال کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ اس مفہوم پر تصریح اسی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما فدک اور خیبر کے مال ہی میں وراثت کا تقاضا کرنے آئے تھے۔

(3) ظنی الثبوت ظنی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہو (یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو) اور دلالت کے اعتبار سے بھی یقینی نہ ہو (یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہو)

مثال: وہ اخبارِ آحاد جو متعدد معانی کا احتمال رکھتی ہیں جن کا مفہوم ظنی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا."

(سنن الترمذی: باب ما جاء في البيعين بالخيار ما لم يتفرقا، رقم الحدیث 1245)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریقین کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں۔

یہ حدیث؛ خبر واحد ہے، اس لیے اس کا ثبوت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ اسی طرح اس کی اپنے مفہوم پر دلالت بھی قطعی نہیں کیونکہ اس میں "مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا" میں دو احتمال ہیں: تفرق بالاقوال اور تفرق بالابدان، اس لیے اس کی دلالت بھی اپنے معنی پر ظنی ہوئی۔

(4) استنباط

قرآن و حدیث میں غور و فکر کر کے نئے پیش آنے والے مسائل کا حکم نکالنے کا نام "استنباط" ہے۔

مثال:

انبیاء علیہم السلام کا فرشتوں سے افضل ہونا

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمۃ اللہ علیہ (ت 604ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ [سورۃ آل عمران: 33] مَنْعَاهُ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى اصْطَفَاهُمْ عَلٰى كُلِّ الْمَخْلُوقَاتِ وَلَا شَكَّ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ. فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ تَقْتَضِيْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى اصْطَفٰى هٰؤُلَاءِ الْأَنْبِيَاءَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج2 ص312 تحت تفسیر سورۃ البقرۃ. آیت: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ الخ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ "بے

شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں سے پسند کیا" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوقات میں سے چنا۔ ظاہر ہے کہ فرشتے بھی مخلوقات میں داخل ہیں، اس لیے اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں پر بھی برتری عطا کی ہے۔

فائدہ نمبر 1:

عقائد کی جو تقسیم قطعی اور ظنی کے اعتبار سے ہم نے کی یہی تقسیم مشہور متکلم علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) نے بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اِنَّ الْمَسَائِلَ الْاِعْتِقَادِيَّة قِسْمَانِ:

اَحَدُهُمَا: مَایَکُوْنُ الْمَطْلُوْبُ فِيْهِ الْيَقِيْنُ كَوَحْدَةِ الْوَاجِبِ تَعَالٰى وَصِدْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ.

وَثَانِيْهِمَا: مَا يُكْتَفٰى فِيْهَا بِالظَّنِّ كَهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَالْاِكْتِفَاءُ بِالدَّلِيْلِ الظَّنِّي اِنَّمَا لَا يَجُوْزُ فِي الْاَوَّلِ بِخِلَافِ الثَّانِي.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص358)

ترجمہ: اعتقادات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن میں شریعت کو یقین مطلوب ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ان کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی ضروری ہے

اور دوسری قسم وہ عقائد جن میں دلیل ظنی بھی کافی ہے جیسے یہ مسئلہ (انبیاء کرام علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا) دلیل ظنی اول یعنی قطعی عقیدہ میں کافی نہیں بخلاف عقیدہ ظنی کے (کہ عقیدہ ظنی میں دلیل ظنی بھی کافی ہوتی ہے)

فائدہ نمبر 2:

عقیدہ قطعیہ کے لیے دلیل قطعی اور عقیدہ ظنیہ کے لیے دلیل ظنی درکار ہوتی ہے، یہ رائے ہماری نہیں بلکہ علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ ت 1239ھ کی بھی یہی رائے ہے۔

چنانچہ علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَثَانِيْهِمَا: مَايُكْتَفٰى فِيْهَا بِالظَّنِّ كَهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَالْاِكْتِفَاءُ بِالدَّلِيْلِ الظَّنِّي اِنَّمَا لَايَجُوْزُ فِي الْاَوَّلِ بِخِلَافِ الثَّانِي.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص358)

ترجمہ: (اعتقادات کی) دوسری قسم وہ عقائد جن میں دلیل ظنی بھی کافی ہے جیسے یہ مسئلہ (انبیاء کرام علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا) دلیل ظنی اول یعنی قطعی عقیدہ میں کافی نہیں بخلاف عقیدہ ظنی کے (کہ عقیدہ ظنی میں دلیل ظنی بھی کافی ہوتی ہے)

فائدہ نمبر 3:

اوپر ذکر کی گئی تفصیل سے ثابت ہوا کہ ہر عقیدہ کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی کا مطالبہ کرنا درست نہیں بلکہ دلیل عقیدہ کے مطابق دی جائے گی۔ اگر کسی عقیدہ کے ماننے والے کو "مومن" اور نہ ماننے والے کو "کافر" کہا جائے تو اس کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہو گی اور اگر ماننے والے کو "اہل السنۃ والجماعۃ" اور نہ ماننے والے کو "اہل بدعت" کہا جائے تو دلیلِ قطعی کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ دلیلِ ظنی بھی کافی ہو گی۔

فائدہ نمبر 4:

اسلام کے بنیادی عقیدے تین ہیں:

1. توحید باری تعالیٰ
2. نبوت ورسالت
3. قیامت وآخرت

فائدہ نمبر 5:

ان بنیادی عقیدوں کے لئے دلائل عقلیہ مثبت ہیں اور دلائل نقلیہ موید ہیں۔

مشہور مؤرخ وفقیہ ابوزید عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن خلدون المعروف ابن خلدون رحمہ اللہ (ت808ھ) علم الکلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هُوَ عِلْمٌ يَتَضَمَّنُ الْحُجَجَ عَنِ الْعَقَائِدِ الْإِيمَانِيَةِ بِالْأَدِلَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالرَّدَّ عَلَى الْمُبْتَدِعَةِ الْمُنْحَرِفِيْنَ فِي الِاعْتِقَادَاتِ عَنْ مَذَاهِبِ السَّلَفِ وَأَهْلِ السُّنَّةِ.

(تاریخ ابن خلدون: ج1 ص458)

ترجمہ: علم الکلام وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل کے ذریعہ ایمانی عقائد کا دفاع کیا جاتا ہے اور اہل السنت، اسلاف کے عقیدہ سے انحراف کرنے والے اہل بدعت کا دلائل سے رد کیا جاتا ہے۔

دلیل نمبر 1:

(1): ﴿قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (١٦)﴾

(سورۃ یونس: 16)

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں اس (قرآن کریم) کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس سے تمہیں واقف کرواتا۔ میں تو اس سے پہلے ایک عرصہ تم میں رہ چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

استدلال:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کے سامنے اپنی نبوت پر عقلی دلیل پیش فرمائی تھی کہ جو شخص چالیس سال تک خلاف حقیقت باتیں کرنے سے بچتا رہا اور تم اس کی صداقت پر خود گواہی بھی دیتے ہو تو وہ نبوت کے بارے میں غلط دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟

دلیل نمبر 2:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِيْ: يَا بَنِي فِهْرٍ! يَا بَنِي عَدِيٍّ! لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوا فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولًا لِيَنْظُرَ مَا هُوَ فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ: "أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟" قَالُوا: نَعَمْ! مَا

جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا. قَالَ: "فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ." فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا؟ فَنَزَلَتْ ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱) مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (۲)﴾

(صحیح البخاری: کتاب التفسیر باب وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے" نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور پکار کر فرمانے لگے: اے بنی فہر! اے بنی عدی! - قریش کی ذیلی شاخ والوں کو - اس آواز پر سب لوگ جمع ہو گئے۔ اگر کوئی شخص خود نہ آسکا تو اس نے اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیا تاکہ معلوم ہو کہ بات کیا ہے! ابو لہب بھی قریش کے ان لوگوں کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس وادی میں سے (یعنی اس پہاڑ کے پیچھے سے) ایک لشکر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کو سچ مانو گے؟ ان سب نے کہا کہ بالکل ہم آپ کی تصدیق کریں گے، ہم نے ہمیشہ آپ کو سراپا سچا ہی پایا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو بالکل تمہارے سامنے ہے۔ اس پر ابو لہب بولا: تم پر آج کا سارا دن تباہی ہو، کیا تم نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱) مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (۲)﴾ کہ "ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا، اس کا مال اس کے کام آیا نہ اس کی کمائی۔"

استدلال:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کے سامنے اپنی نبوت پر عقلی دلیل پیش فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی سراپا صدق وامانت پر مبنی ہے جس کی گواہی خود قریش بھی دے رہے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بارے میں غلط دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں؟

دلیل نمبر 3:

اگر کسی شخص میں عقل موجود ہو اور اس کے پاس نقل نہ پہنچے وہ تب بھی ایمان لانے کا مکلف ہو گا اور کسی میں عقل موجود نہ اور اس کے پاس نقل پہنچ جائے وہ تب بھی ایمان لانے کا مکلف نہیں ہو گا۔

امام نظام الدین ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الخراسانی الشاشی الحنفی (ت 335ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: لَوْ لَمْ يَبْعَثِ اللهُ تَعَالٰى رَسُوْلًا لَوَجَبَ عَلَى الْعُقَلَاءِ مَعْرِفَتُهٗ بِعُقُوْلِهِمْ.

(اصول الشاشی: ص50 فصل فی الامر)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث نہ فرماتے تب بھی عقل مندوں پر عقل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ضروری ہوتا۔

دلیل نمبر 4:

اگر کوئی کافر وجودِ باری تعالیٰ پر دلیل مانگے تو اسے عقلی دلیل دی جائے گی کیونکہ اگر ہم قرآن پیش کریں گے تو وہ کہے گا کہ میں تو وجودِ خدا نہیں مانتا، کلام خدا کیسے مان لوں گا؟ تو ہم پہلے عقلی دلیل سے وجودِ خدا منوائیں گے اس کے بعد کلامِ خدا پیش کریں گے۔

ترجیح عقیدۃ الاسلاف

اگر اھل السنۃ والجماعۃ کا کوئی عقیدہ و نظریہ بظاہر قرآن کریم کی کسی آیت یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان سے ٹکرا جائے تو اس وقت دیکھا جائے کہ ان آیات واحادیث کے ہوتے ہوئے اسلاف کا عقیدہ کیا تھا۔ جو ان کا عقیدہ ہو اسی کو لیا جائے گا کیونکہ آیات واحادیث ان کے موافق ہوتی ہیں جو بظاہر اس کے خلاف نظر آرہی ہوتی ہیں۔

چنانچہ امام ابوالحسن عبید اللہ ابن الحسین الکرخی رحمہ اللہ ت340ھ لکھتے ہیں:

أَنَّ كُلَّ اٰيَةٍ تُخَالِفُ قَوْلَ أَصْحَابِنَا فَإِنَّهَا تُحْمَلُ عَلَى النَّسْخِ أَوْعَلَى التَّرْجِيْحِ وَالْأَوْلٰى أَنْ تُحْمَلَ عَلَى التَّأْوِيْلِ مِنْ جِهَةِ التَّوْفِيْقِ.

(اصول الکرخی: ص2)

ترجمہ: ہر وہ آیت جو ہمارے فقہاء کے قول کے خلاف ہوگی تو اس کو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں میں تاویل کرکے تطبیق کی صورت پیدا کی جائے۔

فائدہ:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اصحاب کے علم میں دلیلِ ناسخ یا دلیل مرجح ہوتی ہے لیکن ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہوتا۔

مثال نمبر 1:

عقیدہ: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے۔

شیخ محمد عربی التَبّانی المالکی المعروف ابوحامد بن مرزوق، مدرس حرم مکی (ت1390ھ) لکھتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُقَلَاءُ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ ؛ الشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَفُضَلَاءِ الْحَنَابِلَةِ وَغَيْرِهِمْ عَلٰى اَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مُنَزَّهٌ عَنِ الْجِهَةِ وَالْجِسْمِيَّةِ وَالْحَدِّ وَالْمَكَانِ وَمُشَابَهَةِ مَخْلُوْقَاتِهٖ.

(براءۃ الاشعریین من عقائد المخالفین: ج1 ص79)

ترجمہ: اھل السنۃ کے تمام عقلاء یعنی شوافع، احناف، مالکیہ اور فاضل حنابلہ اور دیگر اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جہت، جسم، حد، مکان اور اپنی مخلوقات کی مشابہت رکھنے سے پاک ہے۔

یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (سورۃ الاعراف:54)

کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک عرش پر ہیں لیکن حقیقت میں یہ آیت کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آرہا ہے بلکہ یہاں استواء علی العرش سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ ت256ھ فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ﴿اسْتَوَى﴾ عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

(صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "استواء علی العرش" کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

مثال نمبر2:

عقیدہ: انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت150ھ) فرماتے ہیں:

وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنَزَّهُوْنَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَالْكُفْرِ وَالْقَبَائِحِ.

(الفقہ الاکبر: ص3)

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام صغیرہ وکبیرہ گناہوں اور کفر وبے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت

﴿وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ (سورۃ طٰہٰ:121)

کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہیں لیکن حقیقت میں یہ آیت کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آرہا ہے بلکہ یہاں عصی سے مراد "نافرمانی" نہیں بلکہ لغزش سرزد ہونا اور بھول جانا ہے۔

اَلْمَعْصِيَةُ مَصْدَرٌ وَقَدْ تُطْلَقُ عَلَى الزَّلَّةِ مَجَازًا.

(ھدایۃ الساری الی دراسۃ البخاری للعلامۃ امداد الحق السلھتی البنغلادیشی: ج1 ص107)

ترجمہ: لفظ "معصیۃ" مصدر ہے اور اس کا اطلاق کبھی کبھی "زلت" (آدمی کا بغیر قصد و ارادہ کے پھسل جانا) پر بھی کر دیا جاتا ہے۔

تو "عَصٰی" کا معنی ہے کہ بغیر ارادۂ نافرمانی کے وہ کام کیا جائے جو نہیں کرنا چاہیے۔ اور معصیت بمعنی "گناہ" میں ارادۂ نافرمانی کو دخل ہوتا ہے، اور معصیت بمعنی "زلت" میں بغیر ارادۂ نافرمانی کے لغزش سرزد ہوتی ہے۔

اسی طرح یہاں "غَوٰی" کا لفظ ہے جو "غَوَایَۃٌ" سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے "مشقت میں پڑ جانا"۔ اب آیت کا معنی یہ ہو گا کہ آدم علیہ السلام سے لغزش ہو گئی جس کی وجہ سے جنت کی عیش جاتی رہی اور آپ علیہ السلام کو دنیا میں بھیج دیا گیا، دنیا کی زندگی تلخ ہو گئی اور آپ کو مشقت اور مشکلات پیش آئیں۔

فائدہ: اس کی مزید تفصیلات بندہ کی تصنیف "عصمتِ انبیاء علیہم السلام" میں ملاحظہ فرمالی جائے۔

مثال نمبر 3:

عقیدہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں نماز ادا کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) لکھتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَیٌّ کَمَا تَقَرَّرَ وَاِنَّهٗ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ.

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج3 ص419 باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ و المدینۃ)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی قبر میں) زندہ ہیں جیسا کہ یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں نماز پڑھتے ہیں۔

یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (سورۃ الحجر: آیت 99)

ترجمہ: آپ اپنے رب کی عبادت کیجیے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو جائے۔

کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد عبادت نہیں ہوتی لیکن حقیقت میں یہ

آیت کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آرہا ہے کیونکہ عبادت کی دو قسمیں ہیں:

1: عبادت تکلیفی

جس کے کرنے کا انسان کو حکم ہو اور جس کے کرنے پہ ثواب نہ کرنے پہ گناہ ہو جیسے پانچ وقت کی نماز۔

2: عبادت تلذذی

جس کے کرنے کا حکم نہ ہو انسان اس کا مکلف نہ ہو اور نہ ہی اس کرنے پہ ثواب اور ترک پہ گناہ ہو بلکہ وہ صرف لذت کے لئے کی جائے۔

موت تک کی جانے والی عبادت عبادت تکلیفی ہوتی ہے جبکہ موت کے بعد کی جانے والی عبادت عبادت تلذذی ہوتی ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی رحمہ اللہ ت 855ھ فرماتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتَ: مَا الدَّاعِي إِلَى عِبَادَتِهِمْ بَعْدَ الْمَوْتِ وَمَوْضِعُ الْعِبَادَةِ دَارُ الدُّنْيَا؟ قُلْتُ: حُبِّبَتْ إِلَيْهِمُ الْعِبَادَةُ فَهُمْ مُتَعَبِّدُونَ بِمَا يَجِدُونَهُ مِنْ دَوَاعِيْ أَنْفُسِهِمْ لَا بِمَا يُلْزَمُوْنَ بِهِ.

(عمدۃ القاری شرح البخاری: ج9ص181 باب التلبیہ اذا انحدر فی الوادی)

ترجمہ: اگر کوئی سوال کرے کہ انبیاء کرام علیہم السلام موت کے بعد عبادت کیسے کرتے ہیں جبکہ عبادت کی جگہ تو دنیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ عبادت کو انبیاء کی پسندیدہ چیز بنادیا جاتا ہے تو موت کے بعد وہ قلبی لذت کے لئے عبادت کرتے ہیں نہ کہ مکلف ہونے کی وجہ سے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) یہ حدیث پاک نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے ہے۔"

(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب: ص220 فصل نمبر 28)

مراعاة المعنى الظاهري للنصوص

کہاں نص کا ظاہری معنی لینا ضروری ہے؟ کہاں نص کا ظاہری معنی ترک کرنا ضروری ہے؟ اور کہاں ظاہری معنی کو ترک کرنے کی گنجائش ہے؟ اس بارے میں چند اصول ذکر کیے جاتے ہیں:

اصل نمبر 1:

نصوص (آیت اور حدیث) کو ان کے ظاہر پر رکھنا ضروری ہے۔ بغیر کسی دلیلِ شرعی کے نصوص (آیت اور حدیث) کے ظاہری معنی کو ترک کرنا اور غلط تاویل کر کے ظاہری معنی کے بجائے باطنی معنی مراد لینا جائز نہیں۔

امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی (ت 537ھ) لکھتے ہیں:

وَالنُّصُوصُ تُحْمَلُ عَلٰى ظَوَاهِرِهَا وَالْعُدُولُ عَنْهَا إِلْحَادٌ.

(العقائد النسفیۃ: ص 8)

ترجمہ: نصوص کو ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا اور نصوص کا ظاہری معنی چھوڑنا "الحاد" ہے۔

مثال:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

☼ ﴿وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

(آل عمران: 133)

ترجمہ: اپنے رب کی جانب سے ملنے والی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، وہ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

☼ ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۷۲) لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ (۷۳)﴾

(سورۃ الزخرف: 72، 73)

ترجمہ: یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں اعمال کی وجہ سے وارث بنایا گیا ہے۔ اس میں تمہارے لیے بہت زیادہ میوے ہیں جن میں سے تم کھاؤ گے۔

☆ ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ ﴾

(سورۃ محمد:15)

ترجمہ: جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو خراب نہیں ہوتا، دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا، شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے سراپا لذت ثابت ہو گی اور شہد کی نہریں ہیں جو نتھرا (صاف شدہ) ہوا ہو گا اور وہاں ان جنتیوں کے لیے تمام قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت بھی ہو گی۔

جبکہ سر سید احمد خان؛ جنت کی نعمتوں کا تذکرہ بلکہ - معاذ اللہ - ان کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ سمجھنا کہ جنت مثل باغ کے پیدا کی ہوئی ہے، اس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں سرسبز شاداب درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی نالیاں بہہ رہی ہیں، ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے، ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہو تو بے مغالطہ ہمارے خرابات (شراب خانے) اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔"

(تفسیر القرآن از سر سید احمد خان: ج1 ص32)

اصل نمبر 2:

اگر کسی نص (آیت اور حدیث) کا ظاہری معنی مراد لینا ممکن نہ ہو تو نص کی تاویل کرنا واجب ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

(وَالنُّصُوْصُ) مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (تُحْمَلُ عَلٰى ظَوَاهِرِهَا) مَالَمْ يَصْرِفْ عَنْهَا دَلِيْلٌ قَطْعِيٌّ كَمَا فِي الْاٰيَاتِ الَّتِيْ تُشْعِرُ بِظَوَاهِرِهَا بِالْجِهَةِ وَالْجِسْمِيَّةِ.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص167)

ترجمہ: کتاب و سنت کے نصوص کو ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا جب تک کوئی ایسی دلیل قطعی موجود نہ ہو جو اس

کے ظاہری معنی سے عدول کا سبب بنے جیسے وہ آیات جن سے بظاہر اللہ تعالیٰ کے لئے خاص جہت اور جسم ثابت ہوتا ہے۔

مثال:

﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾﴾

(سورۃ الملک:16)

ترجمہ: کیا تم کو اس ذات کا خوف نہیں رہا جس کی سلطنت آسمان میں ہے، کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اس وقت زمین ہلنے لگے۔

اس آیت کا ظاہری معنی مراد لینا ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے آسمان میں ہے کیونکہ آسمان؛ عرش سے بہت چھوٹا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش سے بھی چھوٹے ہوں حالانکہ دلائل قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں۔

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمۃ اللہ علیہ (ت604ھ) فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ! أَنَّ الْمُشَبِّهَةَ احْتَجُّوْا عَلٰى إِثْبَاتِ الْمَكَانِ لِلّٰهِ تَعَالٰى بِقَوْلِهٖ: ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ﴾، وَالْجَوَابُ عَنْهُ: أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَا يُمْكِنُ إِجْرَاؤُهَا عَلٰى ظَاهِرِهَا بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِيْنَ، لِأَنَّ كَوْنَهٗ فِي السَّمَاءِ يَقْتَضِيْ كَوْنَ السَّمَاءِ مُحِيْطًا بِهٖ مِنْ جَمِيْعِ الْجَوَانِبِ، فَيَكُوْنُ أَصْغَرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَالسَّمَاءُ أَصْغَرُ مِنَ الْعَرْشِ بِكَثِيْرٍ، فَيَلْزَمُ أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى شَيْئًا حَقِيْرًا بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْعَرْشِ، وَذٰلِكَ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ مُحَالٌ، وَلِأَنَّهٗ تَعَالٰى قَالَ: ﴿قُلۡ لِّمَنۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلۡ لِّلّٰہِ ؕ﴾ فَلَوْ كَانَ اللّٰهُ فِي السَّمَاءِ لَوَجَبَ أَنْ يَكُوْنَ مَالِكًا لِنَفْسِهٖ وَهٰذَا مُحَالٌ، فَعَلِمْنَا أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ يَجِبُ صَرْفُهَا عَنْ ظَاهِرِهَا إِلَى التَّأْوِيْلِ.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج30 ص69، 70 سورۃ الملک آیت ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ﴾)

ترجمہ: یہ بات جان لیجئے کہ فرقہ مشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کو ثابت کرنے کے لیے اس آیت ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ﴾ کہ ”کیا تمہیں اس ذات کا خوف نہیں رہا جو آسمانوں میں ہے“ سے استدلال کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہر گز مراد نہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مانیں تو ماننا پڑے گا کہ آسمان اللہ تعالیٰ کو محیط ہو۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ آسمان سے چھوٹے قرار پائیں گے حالانکہ آسمان تو عرش سے بہت چھوٹا ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش کی نسبت بہت چھوٹا ہو حالانکہ اس بات کے محال ہونے پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے: ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ﴾ کہ ”آپ پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ اس کا جواب بھی خود فرمادیں کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے“ تو اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مان لیا جائے تو اس سے یہ بات لازم ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کا مالک ہو اور یہ بات محال ہے۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں، مملوک نہیں) اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہر گز مراد نہیں بلکہ اس کی تاویل کرنا واجب ہے۔

آیت کا صحیح مفہوم:

اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور سلطنت آسمان میں بھی ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین الرازی الشافعی (ت 606ھ) اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَنْ فِي السَّمَاءِ سُلْطَانُهٗ وَمُلْكُهٗ وَقُدْرَتُهٗ. وَالْغَرْضُ مِنْ ذِكْرِ السَّمَاءِ تَفْخِيْمُ سُلْطَانِ اللهِ وَتَعْظِيْمُ قُدْرَتِهٖ.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج30 ص70)

ترجمہ: اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی بادشاہت، سلطنت اور قدرت آسمان میں ہے۔ آسمان کا تذکرہ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور اس کی قدرت کی بڑائی کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

اصل نمبر 3:

بسا اوقات نص (آیت اور حدیث) کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے اس میں ایسا اشارہ خفیہ یا لطیفہ علمیہ ذکر کرنا جو ظاہر عبارت کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی اس سے مقصودی معنی کی تردید ہوتی ہو جائز ہے۔

چنانچہ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ مِنْ اَنَّ النُّصُوْصَ مَصْرُوْفَةٌ عَلٰى ظَوَاهِرِهَا وَمَعَ ذٰلِكَ فِيْهِ اِشَارَاتٌ خَفِيَّةٌ اِلٰى دَقَائِقَ تَنْكَشِفُ عَلٰى اَرْبَابِ السُّلُوْكِ يُمْكِنُ التَّطْبِيْقُ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الظَّوَاهِرِ الْمُرَادَةِ فَهُوَ مِنْ كَمَالِ الْاِيْمَانِ وَمَحْضِ الْعِرْفَانِ .

(شرح العقائد النسفیۃ: ص167)

ترجمہ: بعض اہل حق محققین جو ظاہری معنی کے ساتھ ساتھ ایسے باطنی معنی بھی بیان کرتے ہیں جو اہل کشف پر کھلتے ہیں تو وہ الحاد نہیں بلکہ وہ ایمان کے کامل ہونے کی نشانی اور معرفت کی علامت ہے۔ اس لئے کہ وہاں ظاہری اور باطنی معنی میں تطبیق ہو سکتی ہے۔

علامہ سید ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا كَلَامُ السَّادَةِ الصُّوْفِيَّةِ فِي الْقُرْاٰنِ فَهُوَ مِنْ بَابِ الْإِشَارَاتِ إِلٰى دَقَائِقَ تَنْكَشِفُ عَلٰى أَرْبَابِ السُّلُوْكِ وَيُمْكِنُ التَّطْبِيْقُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الظَّوَاهِرِ الْمُرَادَةِ وَذٰلِكَ مِنْ كَمَالِ الْإِيْمَانِ وَمَحْضِ الْعِرْفَانِ لَا أَنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا أَنَّ الظَّاهِرَ غَيْرُ مُرَادٍ أَصْلًا وَإِنَّمَا الْمُرَادُ الْبَاطِنُ فَقَطْ إِذْ ذَاكَ اعْتِقَادُ الْبَاطِنِيَّةِ الْمُلَاحَدَةِ تَوَصَّلُوْا بِهٖ إِلٰى نَفْيِ الشَّرِيْعَةِ بِالْكُلِّيَّةِ وَحَاشٰى سَادَتُنَا مِنْ ذٰلِكَ كَيْفَ وَقَدْ حَضُّوْا عَلٰى حِفْظِ التَّفْسِيْرِ الظَّاهِرِ وَقَالُوْا: لَا بُدَّ مِنْهُ أَوَّلًا .

(روح المعانی: ج1 ص7 مقدمۃ التفسیر)

ترجمہ: قرآن کریم (کی تفسیر) کے بارے میں ساداتِ صوفیاء سے جو کلام منقول ہوتا ہے وہ دراصل ان دقیق نکات کی طرف اشارے ہوتے ہیں جو اہلِ سلوک پر منکشف ہوتے ہیں۔ (صوفیائے کرام کے) ان اشارات میں اور قرآن کریم کے ظاہری مفہوم میں جو حقیقتاً مراد ہوتا ہے؛ تطبیق ممکن ہوتی ہے۔ ان جیسے معنی کا بیان صوفیاء کے کمالِ ایمان اور اللہ تعالیٰ کے فیض کا نتیجہ ہوتا ہے۔ صوفیاء کا نظریہ ہرگز یہ نہیں کہ نصوص کا ظاہری مفہوم مراد نہیں اور باطنی مفہوم ہی مراد ہے اس لیے کہ یہ تو باطنی ملحدین کا عقیدہ ہے جسے انہوں نے شریعت کی بالکلیہ نفی کرنے کا زینہ بنایا ہوا ہے، ہمارے صوفیاء کرام کا ان لوگوں کے اعتقاد سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ ممکن بھی کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ صوفیاء نے اس بات کی پرزور تاکید کی ہے کہ قرآن کریم کی جو تفسیر ظاہر ہے اسی کو مقدم کیا جائے۔

مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (٢)﴾

(سورۃ النور:2)

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت (اگر کنواری ہو) اور زنا کرنے والے مرد (اگر کنوارہ ہو) دونوں کو سو سو کوڑے مارو!، تمہیں اللہ کے (دین کے) معاملہ کے میں ان پر ذرا بھی ترس نہیں کھانا چاہیے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو ضرور حاضر رہنا چاہیے۔

علامہ سید ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) اس آیت سے لطائف کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمِنْ بَابِ الْإِشَارَةِ مَا قِيْلَ: إِنَّ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهٗ يَنْبَغِيْ لِلشَّيْخِ إِذَا أَرَادَ تَأْدِيْبَ الْمُرِيْدِ وَكَسْرَ نَفْسِهِ الْأَمَّارَةِ أَنْ يُؤَدِّبَهٗ بِمَحْضَرِ طَائِفَةٍ مِنَ الْمُرِيْدِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يَحْتَاجُوْنَ إِلٰى تَأْدِيْبٍ.

(روح المعانی: ج18 ص185 تحت قولہ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ)

ترجمہ: اس آیت سے ماخوذ اشارہ یہ ہے کہ اس فرمان باری تعالیٰ ﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کہ "بدکار عورت اور بدکار مرد کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو ضرور حاضر رہنا چاہیے" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیخ جب مرید کی تادیب کرنا چاہے اور اس کے نفسِ اَمارہ (کے مکر و فریب کو) ختم کرنا چاہے تو اس مرید کی تادیب اپنے ان مریدین کے مجمع میں کرے جنہیں تادیب کی ضرورت نہیں۔

اصل نمبر 4:

نصوص (آیت اور حدیث) میں ہر مقام پر ظاہری معنی چھوڑ کر ان کا صرف باطنی معنی مراد لینا جائز نہیں۔ نیز یہ اعتقاد رکھنا کہ نصوص کے کچھ ظواہر ہیں اور کچھ حقائق۔ حقائق سے ظواہر کو وہی نسبت ہے جو مغز کو چھلکے سے

ہیں اور جہلاء صرف ظواہر کو جانتے ہیں اور عقلاء؛ حقائق سے واقف ہیں، باطل اور غلط ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) فرماتے ہیں:

(وَالْعُدُوْلُ عَنْهَا) اَیْ عَنِ الظَّوَاهِرِ اِلٰی مَعَانٍ یَدَّعِیْهَا اَهْلُ الْبَاطِنِ وَهُمُ الْمُلَاحِدَةُ وَسَمَّوْا الْبَاطِنِیَّةَ لِاِدِّعَائِهِمْ اَنَّ النُّصُوْصَ لَیْسَتْ عَلٰی ظَوَاهِرِهَا بَلْ لَّهَا مَعَانٍ بَاطِنِیَّةٌ لَایَعْرِفُهَا اِلَّا الْمُعَلِّمُ وَقَصْدُهُمْ بِذٰلِكَ نَفْیُ الشَّرِیْعَةِ بِالْكُلِّیَّةِ (اِلْحَادٌ) اَیْ مَیْلٌ وَعُدُوْلٌ عَنِ الْاِسْلَامِ وَاِتِّصَالٌ وَّالْتِصَاقٌ بِكُفْرٍ لِكَوْنِهٖ تَكْذِیْباً لِلنَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْمَا عُلِمَ مَجِیْئُهٗ بِهٖ بِالضَّرُوْرَةِ.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص167)

ترجمہ: نصوص کا ظاہری معنی چھوڑ کر وہ معنی مراد لینا جو اہل باطن مراد لیتا ہے یہ الحاد ہے۔ اہلِ باطن سے مراد فرقہ باطنیہ ملحدین ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ نصوص کا ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ باطنی معنی مراد ہے جسے معلِّم (یعنی امام معصوم) جانتا ہے۔ اس فرقہ کا اس طرزِ عمل سے مقصود شریعت کی نفی کرنا ہے۔ ان لوگوں کا یہ فعل الحاد ہے، شریعت سے روگردانی ہے، اسلام کو چھوڑ کر کفر کے ساتھ خود کو ملا لینا ہے کیونکہ اس سے ان چیزوں کی تکذیب لازم آتی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے۔

مثال:

"فرقہ باطنیہ" جو نصوص کے ظواہر کو چھوڑ کر خود ساختہ باطنی معانی مراد لیے ہیں۔ اس فرقہ کا یہ کہنا ہے کہ عقلاء ہی جانتے ہیں کہ نصوص کی اصل مراد حقائق ہیں، ظواہر نہیں۔ یہ عقلاء "اہلِ اَسرار" ہیں جنہیں "معلِّم" بھی کہا جاتا ہے اور یہی ان باطنی معانی سے واقف ہوتے ہیں۔

فرقہ باطنیہ کے طرزِ عمل سے جہاں نصوصِ شرعیہ کی تکذیب لازم آتی ہے وہاں شریعت اسلامیہ کا ہر قول و عمل اپنی حقیقت کھو بیٹھتا ہے۔ اس لیے فرقہ باطنیہ کا یہ عمل الحاد اور شریعت کی حقیقت وماہیت کو تبدیل کرنا ہے۔

چنانچہ مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ (ت 1999ء) فرقہ باطنیہ کی اس تحریف کے نمونے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انہوں (یعنی فرقہ باطنیہ) نے نبی، وحی و نبوت، ملائکہ، آخرت اور اصطلاحاتِ شرعیہ کی من مانی تشریح

کرنی شروع کر دی جس کے بعض نادر نمونے یہ ہیں: "نبی" اس ذات کا نام ہے جس پر قوتِ قدسیہ صافیہ کا فیضان ہو، "جبریل" کسی ہستی کا نام نہیں صرف فیضان کا نام ہے، "معاد" سے مراد ہر چیز کا اپنی حقیقت کی طرف واپس آجانا ہے، "جنابت" سے مراد افشائے راز ہے، "غسل" سے مراد تجدیدِ عہد، "زنا" سے مراد علم باطن کے نطفہ کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو، "طہارت" سے مراد مذہبِ باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب سے براءت، "تیمم" سے مراد ماذون (اجازت یافتہ) سے علم کا حصول، "صلوٰۃ" سے مراد امامِ وقت کی طرف دعوت، "زکوۃ" سے مراد اہل استعداد و صفا میں اشاعتِ علم، "صیام" (روزہ) سے مراد افشائے راز سے پرہیز و احتیاط، "حج" سے مراد اس علم کی طلب جو عقل کا قبلہ اور منزل مقصود ہے، "جنت" علم باطن، "جہنم" علم ظاہر، "کعبہ" خود نبی کی ذات ہے، "باب کعبہ" سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات، قرآن مجید میں "طوفان نوح" سے مراد علم کا طوفان ہے جس میں اہلِ شہادت غرق کر دیے گئے، "آتش نمرود" سے مراد نمرود کا غصہ ہے نہ کہ حقیقی آگ، "ذبح" سے مراد جس کا ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا بیٹے سے عہد لینا، "یاجوج ماجوج" سے مراد اہل ظاہر ہیں، "عصائے موسی" سے مراد؛ ان کی دلیل اور حجت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ (قواعد عقائد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الدیلمی یمانی، زمانہ تالیف سن 707ھ، ص8 تا16)"

(تاریخ دعوت وعزیمت: ج1 ص126)

فائدہ: اصل نمبر 3 اور 4 میں فرق

صوفیہ؛ ظاہری معنی مراد لے کر اسے یقینی قرار دیتے ہوئے "اشارہ خفیہ" کے قائل ہیں جبکہ فرقہ باطنیہ؛ ظاہری معنی ترک کر کے صرف باطنی معنی مراد لیتے ہیں۔

فرقہ باطنیہ کا تعارف:

فرقہ باطنیہ کا بانی "حسن بن صباح" تھا۔ اس کا سلسلہ نسب یوں ہے: "حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن الصباح الحمیری"۔ یہ سن 425ھ میں خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوا۔ حسن بن صباح ذہین آدمی تھا۔ یہ نظام الملک خواجہ حسن طوسی، جدید علم کلام کے بانی علامہ ابن رشد اور مشہور شاعر و مفکر عمر خیام کا ہم عصر تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر تک اس نے ریاضی، نجوم اور سحر وغیرہ مختلف علوم حاصل کیے۔ اس نے اپنے لیے "شیخ الجبال" کا

لقب استعمال کیا۔ سلجوک حکومت نے اس کی کارستانیوں کی وجہ سے اسے اپنی حدودِ سلطنت سے باہر نکال دیا۔ اس سے اپنے غلط عقائد و نظریات عوام میں متعارف کیے اور اپنی ایک جماعت تیار کرلی۔ ایک قلعہ تعمیر کیا اور اپنی فوج بھی تیار کی۔ اس شخص نے اپنی ایک جنت بھی بنائی تھی۔ یہ شخص 26ربیع الثانی 518ھ میں فوت ہوا۔

اجماع

اجماع کا لغوی معنٰی:

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1191ھ) لکھتے ہیں:

اَلْاِجْمَاعُ فِی اللُّغَةِ هُوَ الْعَزْمُ، يُقَالُ: اَجْمَعَ فُلَانٌ عَلٰی كَذَا اَیْ عَزَمَ، وَالْاِتِّفَاقُ، يُقَالُ: اَجْمَعَ الْقَوْمُ عَلٰی كَذَا اَیِ اتَّفَقُوْا.

(کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی: ج1 ص238)

ترجمہ: اجماع کے لغت میں دو معنی ہیں:

ا: کسی چیز کا پختہ ارادہ کرلینا۔ جب کوئی شخص کسی کام کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے تو بطور محاورہ کہا جاتا ہے "اَجْمَعَ فُلَانٌ عَلٰی كَذَا"

۲: کسی چیز پر لوگوں کا اتفاق کرلینا۔ چنانچہ جب قوم کسی بات پر متفق ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: "اَجْمَعَ الْقَوْمُ عَلٰی كَذَا"

اجماع کا اصطلاحی معنٰی:

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1191ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ اتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَصْرٍ عَلٰی حُكْمٍ شَرْعِيٍّ.

(کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی: ج1 ص238)

ترجمہ: اجماع: امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا کسی زمانہ میں کسی حکم شرعی پر اتفاق کرلینا ہے۔

اجماع؛ دلیلِ شرعی

[1]: ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (۱۱۵)﴾

(سورۃ النساء: 115)

ترجمہ: جو شخص ہدایت واضح ہونے کے باوجود رسول کی مخالفت کرے اور ایمان والوں سے ہٹ کر الگ راستہ پر چلے تو ہم اسے اس کے اختیار کردہ راستہ پر چلا دیتے ہیں اور اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد سمرقندی (ت 373ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَفِي الْآيَةِ دَلِيْلٌ: أَنَّ الْإِجْمَاعَ حُجَّةٌ لِأَنَّ مَنْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ فَقَدْ خَالَفَ سَبِيْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ.

(تفسیر السمرقندی: ج2ص387، 388)

ترجمہ: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے، کیونکہ جس نے اجماع کی مخالفت کی تو اس نے "سبیل المؤمنین" کی مخالفت کی۔

اشکال:

اجماع کی دلیل قرآن مجید کی مذکورہ آیت ہے اور قرآن کی اس آیت کے ثبوت کی دلیل خود اجماع ہے۔ اس کا مطلب کہ قرآن موقوف ہے اجماع پر اور اجماع موقوف ہے قرآن پر! یہ تو دَور ہے جو کہ باطل ہے۔

جواب:

یہ اشکال دَور کی تعریف نہ سمجھنے کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ شیخ علامہ قطب الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد التحتانی الرازی (ت 766ھ) دور کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں:

تَوَقُّفُ الشَّيْءِ عَلٰى مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ ذٰلِكَ الشَّيْءُ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ.

(القطبی فی المنطق: 62 مبحث العلم)

ترجمہ: ایک چیز کا کسی ایسی چیز پر موقوف ہونا جو خود اِس (پہلی) چیز پر موقوف ہو ایک جہت سے۔

جب جہت بدل جائے تو دَور نہیں ہوتا۔ جیسے باپ؛ بیٹے پر موقوف ہے "باپ کہلانے میں" اور بیٹا؛ باپ پر موقوف ہے "اپنے وجود میں" تو یہ دَور نہیں ہے کیونکہ جہت بدل گئی ہے۔ بالکل اسی طرح اجماع؛ قرآن پر موقوف ہے حجت ہونے میں اور قرآن؛ اجماع پر موقوف ہے ثبوت میں۔ یہاں بھی جہت بدل گئی ہے اس لیے دَور لازم نہیں آتا۔

[2]: امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ أَوْ

قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ.

(سنن الترمذی: كِتَاب الْفِتَنِ، بَاب مَا جَاءَ فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کو- یا یہ فرمایا کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو- گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اللہ کی مدد جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور جو (جماعت سے) الگ ہوا تو وہ آگ کی طرف دھکیلا جائے گا (یعنی اس کا انجام آگ ہو گی)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت1014ھ) اس حدیث کو اجماعِ امت کے برحق و حجت ہونے کی دلیل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فِي الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ عَلٰى حَقِّيَّةِ إِجْمَاعِ الْأُمَّةِ.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ج2 ص160 باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ: اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ امت کا اجماع برحق (و حجت) ہے۔

اجماع کی اہمیت:

1: امام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص رحمہ اللہ (ت370ھ) فرماتے ہیں:

- وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَى خَبَرَ الْوَاحِدِ مُقَدَّمًا عَلَى الْإِجْمَاعِ بَلْ الْإِجْمَاعُ أَوْلٰى مِنْ خَبَرِ الْوَاحِدِ عِنْدَ الْجَمِيعِ.
- أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ يُرَدُّ بِالْإِجْمَاعِ وَلَا يُرَدُّ الْإِجْمَاعُ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ.

(الفصول فی الاصول: باب تخصیص العموم بالخبر)

ترجمہ: اہل علم میں سے کسی کا یہ نظریہ نہیں کہ خبر واحد کو اجماع پر ترجیح ہو گی بلکہ سب کے ہاں اجماع خبر واحد پر راجح ہے۔ خبر واحد اور اجماع میں تعارض کی صورت میں خبر واحد کو چھوڑا جائے گا اجماع کو نہیں۔

2: حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ ت505ھ لکھتے ہیں:

فَيَنْظُرَ أَوَّلَ شَيْئٍ فِي الْإِجْمَاعِ فَإِنْ وَجَدَ فِي الْمَسْأَلَةِ إِجْمَاعًا تَرَكَ النَّظَرَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَإِنَّهُمَا يَقْبَلَانِ النَّسْخَ وَالْإِجْمَاعُ لَا يَقْبَلُهُ فَالْإِجْمَاعُ عَلٰى خِلَافِ مَا فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ دَلِيْلٌ قَاطِعٌ عَلٰى

النَّسْخِ إِذْ لَا تَجْتَمِعُ الْأُمَّةُ عَلَى الْخَطَإِ.

(المستصفیٰ للغزالی ج1 ص374)

ترجمہ: مجتہد کو چاہیئے کہ مسئلہ حل کرتے وقت سب سے پہلے اجماع امت کو دیکھے اگر اس مسئلہ پر اجماع موجود ہو تو قرآن و سنت دیکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن و سنت نسخ کو قبول کرتے ہیں جبکہ اجماع نسخ کو قبول نہیں کرتا۔ نصوص کے خلاف اجماع آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ نص منسوخ ہے اس لئے کہ امت غلطی پر اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

3: حافظ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام رحمہ اللہ ت 728ھ لکھتے ہیں:

وَإِجْمَاعُهُمْ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ يَجِبُ اتِّبَاعُهَا بَلْ هِيَ أَوْكَدُ الْحُجَجِ وَهِيَ مُقَدَّمَةٌ عَلٰى غَيْرِهَا. وَلَيْسَ هٰذَا مَوْضِعَ تَقْرِيرِ ذٰلِكَ. فَإِنَّ هٰذَا الْأَصْلَ مُقَرَّرٌ فِي مَوْضِعِهِ. وَلَيْسَ فِيهِ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ بَلْ وَلَا بَيْنَ سَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ خِلَافٌ.

(الفتاوی الکبری لابن تیمیۃ: ج6 ص162)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع دلیل قطعی ہے جسے ماننا ضروری ہے بلکہ یہ سب سے مضبوط دلیل ہے جو دیگر دلائل پر مقدم ہے، یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں، باقی یہ اصول مسلَّم ہے کہ یہ سب سے مضبوط دلیل ہے جس میں فقہاء کرام رحمہم اللہ بلکہ امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔

اشکال:

اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اجماع؛ قرآن و سنت سے بھی افضل ہے۔

جواب:

افضل ہونا اور بات ہے، موقوف علیہ اور مقدم ہونا اور بات ہے۔ جیسے وضو؛ نماز کے لیے موقوف علیہ اور نماز پر مقدم ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن افضل نماز ہی ہے۔ اسی طرح اجماع؛ قرآن و سنت کے لیے موقوف علیہ اور قرآن و سنت پر مقدم ہے کہ اجماع کے بغیر قرآن و سنت کا ثبوت نہیں ہوتا لیکن افضل قرآن و سنت ہی ہیں۔

4: سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (ت1014ھ) فرماتے ہیں:

"وقَدْ قَالَ عَطَاءٌ: الْإِجْمَاعُ أَقْوىٰ مِنَ الْإِسْنَادِ"

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ج1 ص117)

ترجمہ: امام عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجماع اسناد سے قوی ہے۔

اجماع کی قسمیں:

اجماع کی بنیادی دو قسمیں ہیں: 1: اجماع کلی 2: اجماع اکثری

اجماع کلی:

اَلْإِجْمَاعُ الَّذِيْ يَتَّفِقُ عَلَيْهِ جَمِيْعُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ مُجْتَهِدِیْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

(تنقیحات متکلم اسلام)

ترجمہ: اجماع کلی وہ اجماع ہے جس پر اہل السنۃ والجماعۃ کے تمام مجتہدین کا اتفاق ہو۔

جیسے علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر (ت319ھ) لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعُوْا علٰى أَنَّ الْأُمَّ تَحْجُبُ الْجَدَّاتِ.

(کتاب الاجماع لابن المنذر: ص66 رقم المسئلۃ309)

ترجمہ: اس بات پر تمام علماء فقہاء کا اجماع ہے کہ ماں کی موجودگی میں دادی، نانی وارث نہیں بن سکتیں۔

اجماع اکثری:

اَلْإِجْمَاعُ الَّذِيْ يَتَّفِقُ عَلَيْهِ أَكْثَرُ مُجْتَهِدِیْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

(تنقیحات متکلم اسلام)

ترجمہ: اجماع اکثری وہ اجماع ہے جس پر اہل السنۃ والجماعۃ کے اکثر مجتہدین کا اتفاق ہو جس پر اکثر فقہاء متفق ہوں۔

جیسے علامہ ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی رحمہ اللہ (ت855ھ) صاحبِ ہدایہ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ (ت593ھ) کے ایک قول کی شرح میں فرماتے ہیں:

قَالَ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ مِنْ أَصْحَابِنَا: "وَعلٰى تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ

عَنۡهُمۡ " فَسَمَّاهُ إِجۡمَاعًا بِاعۡتِبَارِ اتِّفَاقِ الۡأَكۡثَرِ وَمِثۡلُ هٰذَا يُسَمّٰى إِجۡمَاعًا عِنۡدَنَا.

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی: ج4 ص449 باب وجوب القراءۃ)

ترجمہ: ہمارے احناف میں سے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ "امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے" صاحبِ ہدایہ نے اکثر کے اتفاق کو "اجماع" فرما دیا ہے۔ اس طرح کا اکثری اتفاق ہمارے ہاں اجماع شمار ہوتا ہے۔

اجماع کے مراتب:

ضعف و قوت اور یقین و ظن کے اعتبار سے اجماع کے چار مراتب ہیں۔ ہر مرتبہ کے مطابق اس کی حیثیت اور منکر کا حکم متعین کیا جاتا ہے۔

[1]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

اِتِّفَاقُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُمۡ كُلِّهِمۡ أَجۡمَعِيۡنَ عَلٰى أَمۡرٍ مِنَ الۡأُمُوۡرِ بِقَوۡلِهِمۡ: "اَجۡمَعۡنَا عَلٰى هٰذَا"

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی دینی مسئلہ یا واقعہ پر یہ کہہ کر اتفاق کرنا کہ "ہم اس پر متفق ہیں"۔

حُكۡمُهٗ:

هٰذَا الۡإِجۡمَاعُ مِثۡلُ الۡاٰيَةِ الۡقُرۡاٰنِيَّةِ وَالۡخَبَرِ الۡمُتَوَاتِرِ وَيُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ.

یہ اجماع بمنزلہ قرآن مجید کی آیت اور خبر متواتر کے ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔

مِثَالُهٗ:

إِجۡمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُمۡ عَلٰى خِلَافَةِ اَبِيۡ بَكۡرٍ الصِّدِّيۡقِ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع۔ (تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف "ملاجیون" (ت1130ھ) لکھتے ہیں:

فَالۡاَقۡوٰى إِجۡمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُمۡ نَصًّا مِثۡلَ اَنۡ يَقُوۡلُوۡا جَمِيۡعًا: "اَجۡمَعۡنَا عَلٰى كَذَا" فَإِنَّهٗ مِثۡلُ الۡاٰيَةِ وَالۡخَبَرِ الۡمُتَوَاتِرِ حَتّٰى يُكَفَّرَ جَاحِدُهٗ وَمِنۡهُ الۡاِجۡمَاعُ عَلٰى خِلَافَةِ اَبِيۡ بَكۡرٍ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ.

(نور الانوار: ص234)

ترجمہ: سب سے قوی اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صراحتاً کسی بات پر اجماع کرنا ہے مثلاً صحابہ سب یوں کہیں: "ہم نے اس بات پر اجماع واتفاق کر لیا ہے" یہ اجماع قرآن کریم کی آیت اور خبر متواتر کی طرح ہے حتیٰ کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔ اس اجماع کی مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہے۔

[2]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوتی اجماع

اِتِّفَاقُ بَعْضِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَوْلًا عَلٰى مَسْأَلَةٍ وَيَسْكُتُ الْبَاقُوْنَ مِنْهُمْ مُسْلِمِيْنَ.

کسی مسئلہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صراحتاً اتفاق ظاہر کریں اور بعض سکوت کرتے ہوئے اسے تسلیم کریں۔

حُكْمُهٗ:

هٰذَا الْإِجْمَاعُ يُعَدُّ مِنَ الْاَدِلَّةِ الْقَطْعِيَّةِ لٰكِنْ لَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ.

اس اجماع کا شمار قطعی دلائل میں ہوتا ہے لیکن اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

مِثَالُهٗ:

إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَلٰى قِتَالِ مَانِعِي الزَّكَاةِ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مانعینِ زکوۃ کے خلاف جہاد پر اجماع۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف "ملا جیون" (ت1130ھ) لکھتے ہیں:

(ثُمَّ الَّذِيْ نَصَّ الْبَعْضُ وَسَكَتَ الْبَاقُوْنَ) مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَهُوَ الْمُسَمّٰى بِالْإِجْمَاعِ السُّكُوْتِيِّ وَلَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْاَدِلَّةِ الْقَطْعِيَّةِ.

(نور الانوار: ص234)

ترجمہ: پھر (دوسرے مرتبے کا) وہ اجماع ہے جس پر بعض صحابہ صراحتاً اتفاق کریں اور بعض خاموش رہیں۔ اسی اجماع کا نام "اجماعِ سکوتی" ہے۔ اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا اگرچہ اس اجماع کا شمار قطعی دلائل میں ہوتا ہے۔

چنانچہ مولانا عبد الحلیم انصاری لکھنوی الحنفی (ت 1285ھ) اس عبارت کے حاشیہ میں اجماعِ سکوتی کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْاِجْمَاعُ السُّکُوْتِیُّ کَاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَلٰی قِتَالِ مَانِعِ الزَّکَاةِ فَاِنَّ اَکْثَرَ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالُوْا بِهٖ وَبَعْضُهُمْ کَانُوْا سَاکِتِیْنَ مُسْلِمِیْنَ.

(قمر الاقمار حاشیۃ نور الانوار: ص234)

ترجمہ: اجماع سکوتی کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مانعین زکاۃ سے جہاد کرنے پر اجماع ہے کیونکہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے جہاد کرنے کی صراحت کی اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خاموش رہ کر اسے تسلیم کیا۔

فائدہ:

اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کوئی خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ اجتہاد کرے، یا خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کا کوئی عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم میں ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی اس پہ نکیر نہ کرے تو اس کی حیثیت بھی اجماع سکوتی کی سی ہو جاتی ہے۔

شیخ محمد بن صالح بن محمد العثیمین (ت 1421ھ) لکھتے ہیں:

وَالْجُمُعَةُ لَهَا أَذَانٌ أَوَّلُ مِنْ سُنَّةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ أَحَدُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الَّذِيْنَ أُمِرْنَا بِاتِّبَاعِ سُنَّتِهِمْ..... فَلِأَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يُنْكِرُوْا عَلٰى عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَعَ أَنَّهٗ لَوْ أَخْطَأَ لَأَنْكَرُوْا عَلَيْهِ.... فَالْأَذَانُ الْأَوَّلُ لِلْجُمُعَةِ أَذَانٌ شَرْعِيٌّ بِإِشَارَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَّةِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَبِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ؛ الْإِجْمَاعِ السُّكُوْتِيّ.

(شرح ریاض الصالحین للعثیمین: ص1278 باب فضل الوضوء)

ترجمہ: جمعہ کی پہلی اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، آپ رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ نیز چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل (اذان کے اجراء) پر کوئی نکیر نہیں فرمائی باوجود اس بات کے کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل؛ خطا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور نکیر فرماتے۔ اس لیے جمعہ کی یہ پہلی اذان؛ شرعی اذان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اشارے (حدیث:)، امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعِ سکوتی سے ثابت ہے۔

[3]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کا اجماع (جس میں صحابہ کا اختلاف منقول نہ ہو)

اِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ بَعْدَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فِيْ عَصْرٍ مِنَ الْعُصُوْرِ عَلٰى أَمْرٍ مِنَ الْأُمُوْرِ لَمْ يَسْبَقْ فِيْهِ خِلَافُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد کسی دور کے مجتہدین کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق کرنا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف منقول نہ ہو۔

حُكْمُهٗ:

هٰذَا الْإِجْمَاعُ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ الْمَشْهُوْرِ فَيُفِيْدُ طَمَانِيْنَةَ الْقَلْبِ لٰكِنْ تَحْصُلُ بِهِ الطَّمَانِيْنَةُ الَّتِيْ هِيَ دُوْنَ الْيَقِيْنِ فَلَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ بَلْ يُضَلَّلُ وَيُخَطَّأُ.

یہ اجماع خبرِ مشہور کی طرح ہے جو طمانینت قلب کا تو فائدہ دیتا ہے لیکن اس سے حاصل ہونے والی طمانینت یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ اس لیے اس مرتبہ کے منکر کو کافر تو نہیں کہا جائے گا البتہ گمراہ اور خطاکار قرار دیا جائے گا۔

مِثَالُهٗ:

إِجْمَاعُ الْأَئِمَّةِ عَلٰى أَنَّ الضِّحْكَ خَارِجَ الصَّلَاةِ لَا يَنْقُضُ طَهَارَةً.

اس مسئلہ پر ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع کہ نماز سے باہر ہنسنا طہارت کو زائل نہیں کرتا۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف "ملاجیون" (ت1130ھ) لکھتے ہیں:

(ثُمَّ إِجْمَاعُ مَنْ بَعْدَهُمْ) اَیْ بَعْدَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ مِنْ اَهْلِ كُلِّ عَصْرٍ (عَلٰى حُكْمٍ لَمْ يَظْهَرْ فِيْهِ خِلَافُ مَنْ سَبَقَهُمْ) مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ الْمَشْهُوْرِ يُفِيْدُ الطَّمَانِيْنَةَ دُوْنَ الْيَقِيْنِ.

(نور الانوار: ص234)

ترجمہ:(اجماع کا تیسرا مرتبہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ہر دور کے مجتہدین کا کسی ایسے مسئلہ پر اجماع کرنا ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف منقول نہ ہو۔ اس قسم کا اجماع خبر مشہور کی طرح ہے جو طمانینت کا تو فائدہ دیتا ہے لیکن علم یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔

اس اجماع کے منکر کے گمراہ اور خطاکار ہونے کی تصریح کرتے ہوئے علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الحنفی المعروف ابن الہمام (ت 861ھ) لکھتے ہیں:

(وَاَمَّا) مُنْكِرُ اِجْمَاعِ (مَنْ بَعْدَهُمْ) اَيِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (بِلَا سَبْقِ خِلَافٍ) فَيُضَلَّلُ وَيُخَطَّأُ مِنْ غَيْرِ اِكْفَارٍ (كَالْخَبَرِ الْمَشْهُوْرِ) اَیْ كَمُنْكِرِهٖ.

(تحریر الاصول لابن الہمام: ج3 ص147 باب فی الاجماع)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی غیر اختلافی مسئلہ پر منعقد ہونے والے اجماع کے منکر کو گمراہ اور خطاکار قرار دیا جائے گا لیکن کافر قرار نہیں دیا جائے گا جس طرح کہ خبر مشہور کے منکر کا حکم ہوتا ہے۔

مثال: نماز کے باہر اگر کوئی شخص ہنس لے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر (ت 319ھ) لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعُوْا عَلٰى أَنَّ الضِّحْكَ فِيْ غَيْرِ الصَّلَاةِ لَا يَنْقُضُ طَهَارَةً، وَلَا يُوْجِبُ وُضُوْءًا.

(کتاب الاجماع لابن المنذر: ص22 رقم المسئلۃ 5)

ترجمہ: ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز سے باہر ہنسنا طہارت کو زائل نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے وضو واجب ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص نماز سے باہر ہنسنے کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا قائل ہو تو اس کا یہ موقف اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ قبول ہوگا۔ ایسے شخص کو خطاکار اور گمراہ کہنا درست ہوگا۔

[4]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کا اجماع (جس میں سابق مجتہدین کا اختلاف منقول ہو)

اِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ بَعْدَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فِيْ عَصْرٍ مِنَ الْعُصُوْرِ عَلٰى أَمْرٍ مِنَ الْأُمُوْرِ سَبَقَ

فِيْهِ خِلَافُ الْمُجْتَهِدِيْنَ سَوَاءٌ كَانُوْا هُمْ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مَنْ بَعْدَهُمْ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد کسی دور کے مجتہدین کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق کرنا جس میں سابق دور کے مجتہدین کا اختلاف منقول ہو خواہ وہ مجتہدین؛ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں یا ان کے دور کے بعد کے مجتہدین ہوں۔

حُكْمُهٗ:

هٰذَا الْإِجْمَاعُ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ الْوَاحِدِ يُوْجِبُ الْعَمَلَ دُوْنَ الْعِلْمِ الْيَقِيْنِيِّ فَلَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ وَلَا يُضَلَّلُ.

یہ اجماع؛ خبرِ واحد کی طرح ہے جس کی بنیاد پر عمل کرنا تو واجب ہے لیکن اس سے علمِ یقینی حاصل نہیں ہوتا اس لیے اس کے منکر کو کافر کہا جائے گا، نہ گمراہ و خطاکار قرار دیا جائے گا۔

مِثَالُهٗ:

إِجْمَاعُ الْأَئِمَّةِ عَلٰى عَدَمِ جَوَازِ بَيْعِ أُمِّ الْوَلَدِ.

ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا امِّ ولد کی خرید و فروخت کے جائز نہ ہونے پر اجماع کرنا۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف "ملاجیون" (ت1130ھ) لکھتے ہیں:

(ثُمَّ اِجْمَاعُهُمْ عَلٰى قَوْلٍ سَبَقَهُمْ فِيْهِ مُخَالِفٌ) يَعْنِي اخْتَلَفُوْا اَوَّلًا عَلٰى قَوْلَيْنِ ثُمَّ اَجْمَعَ مَنْ بَعْدَهُمْ عَلٰى قَوْلٍ وَاحِدٍ فَهٰذَا دُوْنَ الْكُلِّ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ الْوَاحِدِ يُوْجِبُ الْعَمَلَ دُوْنَ الْعِلْمِ.

(نور الانوار: ص234)

ترجمہ: (اجماع کا چوتھا مرتبہ) مجتہدین کا کسی ایسے قول پر اجماع کر لینا ہے جس میں پہلے کسی کا اختلاف منقول ہو یعنی پہلے دور کے مجتہدین کے کسی مسئلہ پر دو اقوال پائے جاتے تھے، پھر بعد کے مجتہدین نے ان دو میں سے کسی ایک قول پر اجماع کر لیا۔ اجماع کا یہ مرتبہ تمام مراتب میں سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اس قسم کا اجماع خبر واحد کی طرح ہے جس کی بنیاد پر عمل کرنا تو واجب ہوتا ہے لیکن یہ مرتبہ (ایسے) علمِ یقین کا فائدہ نہیں دیتا (جس کی بنیاد پر ہم اس کے

منکر کو کافر یا گمراہ کہہ سکیں۔)

مثال: ام ولد کی بیع کے عدمِ جواز پر اجماع

ام ولد کی بیع بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں جائز ہے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں۔

چنانچہ شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف "ملاجیون" (ت1130ھ) لکھتے ہیں:

نَظِيْرُهٗ مَسْأَلَةُ بَيْعِ أُمِّ الْوَلَدِ، فَإِنَّهٗ عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَجُوْزُ، وَعِنْدَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَجُوْزُ ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ أَجْمَعُوْا عَلٰى عَدَمِ جَوَازِ بَيْعِهَا.

(نور الانوار: ص232)

ترجمہ: اس کی نظیر ام ولد کی بیع (کے جواز وعدمِ جواز) کا مسئلہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ام ولد کی بیع جائز نہیں جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں ام ولد کی بیع جائز ہے۔ پھر صحابہ کرام کے اس اختلاف کے بعد بعد کے مجتہدین نے ام ولد کی بیع کے عدمِ جواز پر اجماع کر لیا۔

فائدہ: "ام ولد" اس باندی کو کہتے ہیں جس سے اس کا مالک ہم بستر ہوا اور اس سے اولاد پیدا ہو گئی ہو۔

فائدہ نمبر 1:

اجماع کی ایک تقسیم اجماع کرنے والے حضرات کے اعتبار سے ہے اور اس اعتبار سے اجماع کی دو قسمیں ہیں:

۱: اجماع کلی، ۲: اجماع اکثری

اور اجماع کی دوسری تقسیم؛ اجماع کے مراتب کے پیشِ نظر اجماع کے حکم کے اعتبار سے ہے اور اس اعتبار سے اجماع کی چار قسمیں ہیں:

[1]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

[2]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوتی اجماع

[3]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کا اجماع (جس میں صحابہ کا اختلاف منقول نہ ہو)

[4]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کا اجماع (جس میں سابق مجتہدین کا اختلاف منقول ہو)

فائدہ نمبر 2:

اجماع کے منکر کی مذکورہ تقسیم سے معلوم ہوا کہ ہر اجماع کا منکر کافر نہیں۔

فائدہ نمبر 3:

جس فن کی بات ہو گی اسی فن والوں کا اجماع معتبر ہو گا۔ اگر علم الکلام کی بات ہو تو متکلمین کا اعتبار ہو گا، علم تفسیر کی بات ہو تو مفسرین کا اعتبار ہو گا، علم حدیث کی بات ہو تو محدثین کا اعتبار ہو گا اور علم تصوف کی بات ہو تو مشائخ طریقت کا اعتبار ہو گا۔

امام نظام الدین ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الخراسانی الشاشی الحنفی (ت 335ھ) فرماتے ہیں:

وَالْمُعْتَبَرُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ إِجْمَاعُ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالِاجْتِهَادِ فَلَا يُعْتَبَرُ بِقَوْلِ الْعَوَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ وَالْمُحَدِّثِ الَّذِيْ لَا بَصِيْرَةَ لَهٗ فِيْ أُصُوْلِ الْفِقْهِ.

(اصول الشاشی: ص196)

ترجمہ: فقہی مسائل میں مجتہدین اہل رائے حضرات کا اجماع معتبر ہے۔ عوام، متکلمین اور وہ حضرات جو محض محدث ہیں، فقیہ نہیں ہیں تو فقہی مسائل میں ان کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اول منکرِ اجماع:

اس دنیا میں سب سے پہلے اجماع کا انکار ابلیس نے کیا ہے۔

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾

(سورۃ ص: 74،75)

ترجمہ: تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا۔

منکر اجماع کی سزا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا

تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾

(سورۃ النساء:115)

ترجمہ: جو شخص ہدایت واضح ہونے کے باوجود رسول کی مخالفت کرے اور ایمان والوں سے ہٹ کر الگ راستہ پر چلے تو ہم اسے اس کے اختیار کردہ راستہ پر چلا دیتے ہیں اور اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں منکر اجماع کی دو سزائیں بیان کی گئی ہیں:

1: دنیا میں ہدایت نہیں ملتی۔

2: آخرت میں اس کو جنت نہیں ملتی۔

شبہ:

اس آیت سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ منکرِ اجماع کو ہدایت نہیں ملتی جبکہ مشاہدہ یہ ہے کہ بعض منکرین اجماع ہدایت پر آجاتے ہیں۔ اس لیے یہ مشاہدہ تو آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

جواب:

منکرِ اجماع کی دو قسمیں ہیں:

1: ایسا منکرِ اجماع جو دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔ ایسے منکر کو اگر دلیل مل جائے تو وہ مان لیتا ہے اور ہدایت پر آجاتا ہے۔ آیت میں یہ شخص مراد نہیں اس لیے اس کا ہدایت پر آجانا اس آیت کے خلاف نہیں۔

2: ایسا منکرِ اجماع جو دلیل نہ ملنے کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ضد اور عناد کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔ ایسے شخص کو اگر دلیل مل بھی جائے تب بھی وہ انکار کرتا ہے اور ہدایت پر نہیں آتا۔ آیت میں منکرِ اجماع سے مراد یہی شخص ہے۔

فاسد العقیدہ کے انکار سے اجماع متاثر نہیں ہوتا:

اگر کسی عقیدہ پر اہل حق متفق ہو جائیں تو بعض فاسد العقیدہ لوگوں کے انکار سے نہ تو اس عقیدہ کی حقانیت پہ کوئی اثر پڑتا ہے اور نہ ہی اجماع کی حجیت پر۔

چنانچہ علامہ مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) فرماتے ہیں۔

وَالْاِجْمَاعُ الْمُنْعَقِدُ عَلٰی ذٰلِكَ عَلٰی مَا مَرَّ وَالْخَوَارِجُ خَوَارِجُ عَمَّا انْعَقَدَ عَلَيْهِ الْاِجْمَاعُ فَلَا اعْتِدَادَ بِهِمْ.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص282)

ترجمہ: مرتکب کبیرہ کے کافر نہ ہونے کی ایک دلیل اجماع امت بھی ہے، خوارج اس اجماع سے الگ ہیں مگر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

مثال: اس بات پر اجماع ہے کہ مرتکبِ کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں۔

اِجْمَاعُ الْاُمَّةِ مِنْ عَصْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی يَوْمِنَا هٰذَا بِالصَّلٰوةِ عَلٰی مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ وَالدُّعَاءِ وَالْاِسْتِغْفَارِ لَهُمْ مَعَ الْعِلْمِ بِارْتِكَابِهِمُ الْكَبَائِرَ بَعْدَ الْاِتِّفَاقِ عَلٰی اَنَّ ذٰلِكَ لَا يَجُوْزُ لِغَيْرِ الْمُؤْمِنِ.

(شرح العقائد النسفیہ ص281)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے لے کر آج تک امت اس بات پر متفق چلی آرہی ہے کہ جو اہل قبلہ (مسلمان) بغیر توبہ کے فوت ہو جائے اور لوگوں کو معلوم بھی ہو کہ وہ مرتکب کبیرہ تھا تب بھی اس کا جنازہ ادا کرنا اور اس کے حق میں دعا اور استغفار کرنا جائز ہے۔ اور اس بات پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ غیر مسلم کا نماز جنازہ ادا کرنا اور اس کی بخشش کی دعا کرنا درست نہیں۔

ترجیح النقل علی العقل

اگر شریعت کا کوئی عقیدہ و نظریہ دلائل نقلیہ قطعیہ سے ثابت ہو اور اس کا مضمون بظاہر عقل کے خلاف ہو تو اس میں نقل کو عقل پر ترجیح دی جائے گی، محض بظاہر عقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے نصوص میں بے جا تاویل کرنا اور اس عقیدہ کا انکار کرنا جائز نہیں۔

بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی رحمہ اللہ (ت794ھ) لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْمِلَّةِ أَنَّ النَّبِيَّ الصَّادِقَ إِذَا أَخْبَرَ خَبَرًا لَا يُدْرِكُهُ الْعَقْلُ وَجَبَ الْإِيمَانُ بِهِ وَتَلَقِّيهِ بِالْقَبُولِ وَتِلْكَ خَصِيصَةُ الْإِيمَانِ بِالْغَيْبِ الَّتِي مَدَحَ اللهُ بِهَا الْمُؤْمِنِينَ.

(البحر المحیط فی اصول الفقہ: ج1 ص114)

ترجمہ: اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی چیز کے بارے بتائیں جو ماورائے عقل ہو (سمجھ نہ آئے) تو اس بات پر ایمان لانا، اسے قبول کرنا واجب ہے اور یہی ایمان بالغیب ہے جس کی وجہ سے اللہ پاک نے مؤمنین تعریف فرمائی ہے۔

فائدہ نمبر1: کوئی عقیدہ عقل کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا البتہ بسا اوقات عقل سے ماوراء ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کسی عقیدہ کے عقل سے ماوراء ہونے کو عقل کے خلاف سمجھ لیتے ہیں اور اس عقیدہ کا انکار کر دیتے ہیں جس طرح معتزلہ بعض عقائد کو اپنی عقل کے خلاف سمجھ کر ان عقائد کا انکار کر دیتے ہیں۔

چنانچہ بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی رحمہ اللہ (ت794ھ) لکھتے ہیں:

وَالْمُعْتَزِلَةُ لَمَّا قَلَّدُوا عُقُولَهُمْ أَنْكَرُوا عَذَابَ الْقَبْرِ وَسُؤَالَ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ وَوَزْنَ الْأَعْمَالِ وَوَقَعُوا فِيْ عِقَالِ الضَّلَالِ حَيْثُ عَدَلُوا عَنْ قَوْلِ الْمَعْصُومِ.

(البحر المحیط فی اصول الفقہ: ج1 ص114)

ترجمہ: معتزلہ نے جب اپنی عقلوں کو بنیاد بنا کر عذاب قبر، منکر نکیر کے سوال اور وزن اعمال کا انکار کیا۔ تو وہ معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے کی وجہ سے گمراہی کے گڑھے میں جا گرے۔

فائدہ نمبر2: بسا اوقات ذوق سلیم کی بنیاد پر ایک بات کر دی جاتی ہے جس پر بظاہر دلیل نہیں ہوتی لیکن اس کے تحت ایک دلیل خفی موجود ہوتی ہے۔

مثال: جمع قرآن کریم کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نقل کا مطالبہ کر رہے تھے تو ان کے سامنے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عقل کو پیش کیا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ: إِنَّ الْقَتْلَ قَدْ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشٰى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرٰى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ. قُلْتُ لِعُمَرَ: كَيْفَ نَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! قَالَ عُمَرُ: هٰذَا وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتّٰى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِذٰلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذٰلِكَ الَّذِي رَاٰى عُمَرُ. قَالَ زَيْدٌ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ. قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتّٰى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ.

(صحیح البخاری: ج2 ص745 کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگ یمامہ کے بعد مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلایا جب میں ان کے پاس پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا:

حضرت صدیق اکبر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت سارے حفاظ شہید ہو گئے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر ایسے ہی جنگوں میں حفاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت سارا حصہ ان کے سینوں ہی میں چلا جائے گا؛ اس لئے میری رائے یہ ہے آپ قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دے دیں۔ میں نے عمر سے کہا کہ جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! اس میں خیر ہی خیر ہے۔ یہ مجھ سے بار بار اصرار کرتے رہے؛ بالآخر اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا اور اب میری رائے بھی یہی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: تم نوجوان بھی ہو، سمجھدار بھی ہو، عادل بھی ہو، ہم تم میں کسی طرح کی تہمت موجود نہیں پاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی بھی رہے ہو۔ لہذا تم قرآن کریم کی آیات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تلاش کرو اور ان کو جمع کرو۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم فرماتے تو یہ میرے لیے قرآن کریم جمع کرنے سے زیادہ آسان تھا۔

حضرت زید: آپ حضرات ایسا کام کیوں کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا؟

حضرت ابو بکر: قسم بخدا! یہ تو اچھا ہی کام ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس بارے میں مسلسل مجھ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرح اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا۔ چنانچہ میں نے قرآن کریم کے اجزاء کو تلاش کرنا شروع کیا اور اسے کھجور کی شاخوں، باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کر دیا۔

حَقِّيَّةُ الِاعْتِقَادِ

ہر مؤمن کو یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ میرا عقیدہ حق ہے اور میرے مخالف کا عقیدہ باطل ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا معنی "یقین" ہے۔ اگر اپنے عقیدے کے حق ہونے کا یقین نہ ہو تو بندہ مؤمن ہی نہیں رہتا۔

امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ ت970ھ فرماتے ہیں:

وَإِذَا سُئِلْنَا عَنْ مُعْتَقَدِنَا وَمُعْتَقَدِ خُصُومِنَا فِي الْعَقَائِدِ يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نَقُوْلَ: اَلْحَقُّ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ خُصُوْمُنَا.

(الاشباہ والنظائر علی مذہب ابی حنیفۃ النعمان: ص330 فائدۃ فی اعتقاد الانسان فی مذہبہ ومذہب غیرہ)

ترجمہ: جب ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف کے عقیدے کے متعلق پوچھا جائے تو ہماری ذمہ داری ہے ہم یہ جواب دیں کہ ہمارا عقیدہ ہی ٹھیک ہے اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل ہے۔

دلیل نمبر1:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مشرک قوم کو فرمایا۔

﴿لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (٥٤)﴾

(سورۃ الانبیاء:54)

کہ تم اور تمہارے سارے بڑے کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

دلیل نمبر2:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ (٧٩)﴾

(سورۃ النمل:79)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اللہ پر بھروسہ فرمائیں، بے شک آپ واضح حق پر ہیں۔

دلیل نمبر 3:

اللہ تعالیٰ مشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۱)﴾

(سورۃ لقمان:11)

ترجمہ: یہ چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ اللہ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہے تو مجھے دکھاؤ تو سہی! (تم لوگ دکھا نہیں سکتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم حق بات نہیں کر رہے) بلکہ ظالم (ہو اور ظالم) کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

دلیل نمبر 4:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (۲) ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾

(سورۃ محمد:2،3)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اس کی تصدیق کی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی جو کہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تو اللہ نے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا اور ان کے احوال درست کر دیے۔ یہ اس لیے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ باطل کی پیروی کرتے ہیں اور جو ایمان لائے وہ اس حق کے پیچھے چلے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔

دلیل نمبر 5:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَأَتَيْتُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: أَلَسْتَ نَبِيَّ اللّٰهِ حَقًّا؟ قَالَ: "بَلٰى." قُلْتُ: أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: "بَلٰى."

(صحیح البخاری:بَاب الشُّرُوطِ فِي الْجِهَادِ وَالْمُصَالَحَةِ مَعَ أَهْلِ الْحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (حدیبیہ کے موقع پر) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کیوں نہیں! میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کیوں نہیں! (یعنی واقعی ہم اہل حق اور ہمارے مخالف اہل باطل ہیں)

شبہ:

اپنے عقائد کو یقین کے ساتھ برحق کہنا اور خود کو اھلِ حق کہنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (٢٤)﴾

(سورۃ سبا:24)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں تمہیں آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ فرمادیں: اللہ پاک ہی رزق دیتے ہیں۔ بیشک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمارہے ہیں ہم حق پہ ہیں یا تم حق پہ ہو! یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقین کے ساتھ خود کو حق پہ نہیں فرمارہے بلکہ شک کے ساتھ فرمارہے ہیں۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس یقین سے خود کو اھلِ حق نہیں فرمارہے تو عام افراد کا خود کو یقین کے ساتھ اھلِ حق کہنا کہاں درست ہو سکتا ہے!

جواب نمبر 1:

اس آیت کریمہ مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اھلِ حق ہونے پہ شک تھا-معاذ اللہ-بلکہ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اس میں اہلِ حق کے حق پر ہونے اور اہلِ باطل کے باطل پر ہونے کو بیان کیا جارہاہے۔

چنانچہ مفسرین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

[1]: امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی النیسابوری رحمہ اللہ ت427ھ فرماتے ہیں:

هٰذَا عَلٰى جِهَةِ الْإِنْصَافِ فِي الْحِجَاجِ كَمَا يَقُوْلُ الْقَائِلُ: أَحَدُنَا كَاذِبٌ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ صَادِقٌ وَأَنَّ صَاحِبَهُ كَاذِبٌ وَالْمَعْنٰى: مَا نَحْنُ وَأَنْتُمْ عَلٰى أَمْرٍ وَاحِدٍ، إِنَّ أَحَدَ الْفَرِيْقَيْنِ لَمُهْتَدٍ وَالْآخَرُ ضَالٌّ فَالنَّبِيُّ وَمَنْ مَعَهُ عَلَى الْهُدٰى وَمَنْ خَالَفَهُ فِيْ ضَلَالٍ فَكَذَّبَهُمْ بِأَحْسَنَ مِنْ تَصْرِيْحِ التَّكْذِيْبِ .

(تفسیر الکشف والبیان: سورۃ سبا آیت 24)

ترجمہ: آیت کریمہ میں یہ طریقہ دوسرے کو سمجھانے کے لئے اختیار فرمایا جیسے کسی شخص کا دوسرے سے اختلاف ہو تو ایک کہتا ہے کہ دیکھ ہم میں سے کوئی ایک تو جھوٹا ہے یہ بات کہنے والا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں اور دوسرا جھوٹا ہے۔ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اے مشرکین ہمارا تمہارا ایک بات پہ تو اتفاق ہے کہ ہم میں سے ایک ہدایت یافتہ ہے اور دوسرا گمراہ۔ لہذا حضور علیہ السلام اور اہل ایمان ہدایت یافتہ ہیں اور آپ علیہ السلام کے مخالفین گمراہی میں مبتلا ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو جھوٹا قرار دیا ہے اور یہ (طرز بیان) صراحتاً تکذیب کرنے سے بہتر ہے۔

[2]: امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی النیسابوری رحمہ اللہ ت427ھ مزید فرماتے ہیں:

وَقِيْلَ: هٰذَا عَلٰى جِهَةِ الْاِسْتِهْزَاءِ بِهِمْ وَهُوَ غَيْرُ شَاكٍّ فِيْ دِيْنِهٖ.

(تفسیر الکشف والبیان: سورۃ سبا آیت 24)

ترجمہ: اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنے ہدایت پہ ہونے میں کوئی شک نہیں تھا آپ نے یہ طریقہ اختیار فرما کے مشرکین پہ چوٹ لگائی (کہ اپنے ہاتھ سے پتھر تراش کر ان کو سجدے بھی کرتے ہو اور خود کو اہل حق بھی کہتے ہو؟)

[3]: حافظ ابو الفدا عماد الدین اسماعیل بن عمر المعروف ابن کثیر رحمہ اللہ ت774ھ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾: هٰذَا مِنْ بَابِ اللَّفِّ وَالنَّشْرِ ..... وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَزِيَادُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ: مَعْنَاهُ "إِنَّا نَحْنُ لَعَلٰى هُدًى وَإِنَّكُمْ لَفِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ."

(تفسیر ابن کثیر: سورۃ سبا آیت 24)

ترجمہ: یہ آیت کریمہ لف نشر مرتب کے باب سے ہے۔ چنانچہ امام عکرمہ اور زیاد بن ابی مریم رحمہما اللہ فرماتے ہیں آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ہدایت پہ ہیں اور تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

فائدہ: لف کا معنی ہے لپیٹنا، نشر کا معنی ہے پھیلانا اور مرتب کا مطلب ہے پہلے چند چیزیں ذکر کرنا اور اس کے بعد ان کے مناسبات کو ترتیب سے ذکر کرنا۔ چنانچہ اس آیت میں پہلے دو فریقوں کا تذکرہ ہے۔"اِنَّا" سے مراد اہل ایمان اور "اِیَّاکُمۡ" سے مراد مشرکین اس کے بعد دو نتیجے ہیں: "لَعَلٰی ھُدًی" اس کا تعلق (فریقِ اول) اہل ایمان سے ہے، "فِیۡ ضَلَالٍ مُّبِیۡنٍ" کا تعلق (فریقِ دوم) مشرکین سے ہے۔

[4]: امام علی بن محمد المعروف خازن رحمہ اللہ ت 725ھ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنَّاۤ اَوۡ اِیَّاکُمۡ لَعَلٰی ھُدًی اَوۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ﴾ مَعۡنَاہُ مَانَحۡنُ وَأَنۡتُمۡ عَلٰی أَمۡرٍ وَاحِدٍ بَلۡ أَحَدُ الۡفَرِیۡقَیۡنِ مُھۡتَدٍ وَالۡآخَرُ ضَالٌّ. وَھٰذَا لَیۡسَ عَلٰی طَرِیۡقِ الشَّكِّ بَلۡ جِھَةُ الۡإِلۡزَامِ وَالۡإِنۡصَافِ فِي الۡحُجَّاجِ كَمَا يَقُوۡلُ الۡقَائِلُ: أَحَدُنَا كَاذِبٌ وَھُوَ يَعۡلَمُ أَنَّهٗ صَادِقٌ وَصَاحِبُهٗ كَاذِبٌ فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَمَنۡ تَبِعَهٗ عَلَى الۡھُدٰی وَمَنۡ خَالَفَهٗ فِيۡ ضَلَالٍ فَكَذَّبَھُمۡ مِنۡ غَيۡرِ أَنۡ يُّصَرِّحَ بِالتَّكۡذِيۡبِ.

(تفسیر الخازن: سورۃ سبا آیت 24)

ترجمہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم اور تم دونوں تو ٹھیک ہو نہیں سکتے بلکہ ہم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے اور دوسرا فریق گمراہ ہے۔ اہل ایمان کا یہ کہنا شک کی وجہ سے نہیں [کہ انہیں اپنے اہل حق ہونے کا شک ہو] بلکہ یہ طریقہ دوسرے کو سمجھانے کے لئے اور ان پہ الزام قائم کرنے کے لئے اختیار فرمایا جیسے کسی شخص کا دوسرے سے اختلاف ہو تو ایک کہتا ہے کہ دیکھ ہم میں سے کوئی ایک تو جھوٹا ہے یہ بات کہنے والا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں اور دوسرا جھوٹا ہے اب یہ بات متعین ہے کہ حضور علیہ السلام اور اہل ایمان ہدایت یافتہ ہیں اور آپ کے مخالفین گمراہی میں مبتلا ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو جھوٹا تو قرار دیا ہے لیکن صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ تم جھوٹے ہو۔

[5]: امام علی بن محمد المعروف خازن رحمہ اللہ ت 725ھ مزید فرماتے ہیں:

وَقِيۡلَ: ﴿أَوۡ﴾ بِمَعۡنَى "الۡوَاوِ" وَمَعۡنَى الۡآيَةِ "إِنَّا لَعَلٰى ھُدًى وَّإِنَّكُمۡ لَفِيۡ ضَلَالٍ مُّبِيۡنٍ"

(تفسیر الخازن: سورۃ سبا آیت 24)

ترجمہ: اس آیت کی ایک تقدیر مزید یہ ہے کہ اس میں "او" کا معنی "واو" ہو۔ اس صورت میں اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم ہدایت پہ ہیں اور تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

[6]: امام شمس الدین محمد بن احمد الشربینی القاہری الشافعی رحمہ اللہ ت 977ھ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا لَيْسَ عَلٰى طَرِيْقِ الشَّكِّ لِأَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَشُكَّ أَنَّهٗ عَلٰى هُدًى وَيَقِيْنٍ وَأَنَّ الْكُفَّارَ عَلٰى ضَلَالٍ مُبِيْنٍ وَإِنَّمَا هٰذَا الْكَلَامُ جَارٍ عَلٰى مَا تُخَاطِبُ بِهِ الْعَرَبُ مِنَ اسْتِعْمَالِ الْإِنْصَافِ فِيْ مُحَاوَرَاتِهِمْ عَلٰى سَبِيْلِ الْفَرْضِ وَالتَّقْدِيْرِ ، وَيُسَمِّيْهِ أَهْلُ الْبَيَانِ "الْإِسْتِدْرَاجَ."

(تفسیر السراج المنیر سورۃ سبا آیت 24)

ترجمہ: مشرکین سے خطاب کا یہ طریقہ اس وجہ سے نہیں کہ حضور علیہ السلام کو اپنے حق پہ ہونے کا شک تھا اس لئے کہ آپ علیہ السلام نے کبھی اپنے حق پہ ہونے اور کفار کے گمراہ ہونے میں شک ہی نہیں کیا بلکہ یہ کلام اہل عرب کے محاورات کے مطابق ہے جس میں ایک بات فرض کر کے دوسرے کو دعوت فکر دی جاتی ہے اہل بیان اس محاورہ کا نام استدراج رکھتے ہیں [کہ ہم موحد تم مشرک ہو اب خود سوچو ہم میں سے حق پہ کون ہے اور گمراہ کون ہے]۔

[7]: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ت 1394ھ فرماتے ہیں:

(تحقیق ہم یا تم میں سے ایک فریق یا تو صریح ہدایت پہ ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں) یہ تو ممکن نہیں کہ دونوں حق پر ہوں۔ اہلِ توحید اور اہلِ شرک دونوں حق پر ہوں یا دونوں غلطی پر ہوں۔ لا محالہ ایک حق پر ہو گا اور وہ ہدایت یافتہ ہو گا اور دوسرا باطل پر ہو گا اور وہ گمراہ ہو گا اور دلائل سے توحید کا حق ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔"

(تفسیر معارف القرآن کاندھلوی: ج6 ص369 سورۃ سبا آیت 24)

جواب نمبر 2:

اگر اس آیت کا یہ معنی مراد لیا جائے کہ "ہمیں اپنے حق پر ہونے کا یقین نہیں ہونا چاہیے" تو پھر اس آیت کا اُن آیات سے تعارض لازم آئے گا جن میں مؤمنین کو حق اور کافروں کو باطل پر کہا گیا ہے جبکہ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم میں تعارض نہیں ہے۔

جواب نمبر 3:

اگر یہ بات مان لی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حق اور کفار کے باطل پر ہونے کا یقین نہیں تھا تو پھر اسلام کی ساری قربانیاں رائیگاں جاتی ہیں - معاذ اللہ — اس لیے کہ اگر اپنے حق پر ہونے کا یقین نہیں تھا تو غزوات کیوں کیے؟ ہجرت کیوں فرمائی؟ اپنی بیٹیوں کی طلاق ہوئی لیکن اپنے موقف کو کیوں نہیں چھوڑا؟ تو سوال ہو گا کہ جب حق پر نہیں تو یہ قربانیاں کس لیے؟؟

فائدہ:

عقائد کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارا عقیدہ ہی حق اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل ہے البتہ مسائلِ اجتہادیہ ومذاہب میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارا مذہب درست ہے لیکن اس میں خطا کا احتمال بھی ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب خطا ہے لیکن اس میں درست ہونے کا احتمال بھی ہے۔

چنانچہ امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ ت970ھ فرماتے ہیں:

إِذَا سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مُخَالِفِيْنَا فِي الْفُرُوعِ. يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نُجِيْبَ بِأَنَّ مَذْهَبَنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبَ مُخَالِفِيْنَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ؛ لِأَنَّكَ لَوْ قَطَعْتَ الْقَوْلَ لَمَا صَحَّ قَوْلُنَا إِنَّ الْمُجْتَهِدَ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ.

(الاشباہ والنظائر علی مذہب ابی حنیفۃ النعمان: ص330 فائدۃ فی اعتقاد الانسان فی مذھبہ ومذھب غیرہ)

ترجمہ: جب فروعی مسائل کے بارے میں ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف کے موقف کے بارے میں پوچھا جائے تو ہماری ذمہ داری ہے ہم یہ جواب دیں کہ "ہمارا موقف درست ہے لیکن اس میں خطاء کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا موقف خطا ہے لیکن اس میں درست ہونے کا احتمال ہے۔" اس لیے کہ اگر آپ نے حتمی طور پر یہ جواب دیا کہ "ہمارا موقف ہی ٹھیک ہے" تو پھر یہ کہنا کہ "مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہوتا ہے" ٹھیک نہ ہو گا۔

ایمان

ایمان کا لغوی معنیٰ:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ فرماتے ہیں:

اَلْاِيْمَانُ فِي اللُّغَةِ التَّصْدِيْقُ اَیْ اِذْعَانُ حُكْمِ الْمُخْبِرِ وَقُبُوْلُهٗ وَجَعْلُهٗ صَادِقًا.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص299)

ترجمہ: ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے یعنی خبر دینے والے کی خبر کا یقین کر کے اسے قبول کرنا اور مخبر کو سچا قرار دینا۔

ایمان کا اصطلاحی معنیٰ:

مفتی بغداد ابو الثناء شہاب الدین سید محمود بن عبد اللہ بن محمود الحسینی آلوسی رحمہ اللہ ت1270ھ لکھتے ہیں:

أَمَّا فِي الشَّرْعِ فَهُوَ التَّصْدِيْقُ بِمَا عُلِمَ مَجِيْءُ النَّبِيِّ بِهٖ ضَرُوْرَةً تَفْصِيْلًا فِيْمَا عُلِمَ تَفْصِيْلًا وَإِجْمَالًا فِيْمَا عُلِمَ إِجْمَالًا .

(تفسیر روح المعانی: تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 3)

ترجمہ: اصطلاحِ شریعت میں ایمان کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں بدیہی طور پر ثابت ہیں ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جو چیزیں تفصیلاً ثابت ہیں ان کی تفصیلی اور جو اجمالاً ثابت ہیں ان کی اجمالی تصدیق کرنا۔

ایمان کی قسمیں:

ایمان کی دو قسمیں ہیں:

1: ایمان اجمالی: جسے ایمان مجمل بھی کہتے ہیں۔

2: ایمانِ تفصیلی: جسے ایمان مفصل بھی کہتے ہیں۔

ایمان مجمل:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ م بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ.

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے اور میں اس کے تمام احکامات کو قبول کرتا ہوں جس کا مجھے زبان سے اقرار ہے اور دل سے یقین ہے۔

ایمان مفصل:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَآئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی جانب سے ہونے پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر۔

چنانچہ علامہ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ الحرانی الحنبلی (ت 728ھ) نے اپنی کتاب "أولیاء الرحمن وأولیاء الشیطان" (ص 26) میں ایک عنوان قائم کیا ہے: "الإيمان المجمل والمفصل" اور اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ نیز مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ (ت 1372ھ) نے بھی اپنی کتاب "تعلیم الاسلام" (ص 8) میں "ایمان مجمل" اور "ایمان مفصل" کا ذکر کیا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

اس حوالے سے چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

(1): مومن ہونے کے لیے ایمانیات کا اجمالی اعتقاد کافی ہے، تفصیلات اور ان کے دلائل کا جاننا ضروری نہیں۔

(2): اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ایمانیات میں اصل الاصول کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں اجمالی ایمان کافی ہے تو باقی امور میں بھی اجمالی ایمان کافی ہو گا۔

(3): اللہ تعالیٰ پر اجمالی ایمان لانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں جو صفات باری تعالیٰ بیان فرمائی ہیں بس ان کو مان لیا جائے، سمجھ میں آ جائیں تب بھی مانا جائے اور اگر سمجھ میں نہ آئیں تب بھی مانا جائے۔

(4): اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ، آسمانی کتابیں اور آخرت وغیرہ کے بارے میں جو چیزیں قرآن وسنت میں بالتفصیل آئی ہیں ان پر تفصیلا ایمان لانا۔

فائدہ نمبر 2:

اہلِ علم کے لئے ایمانِ تفصیلی ضروری ہے اور عوام الناس کے لئے ایمانِ اجمالی کافی ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی علاقے میں کوئی فتنہ یا فرقہ اپنے کسی غلط عقیدہ کا پرچار کر رہا ہو تو اس وقت عوام الناس پر بھی ضروری ہے کہ علمائے حق صحیح عقیدہ جس تفصیل و توضیح کے ساتھ سمجھائیں تو عوام اس کا اعتقاد رکھیں اور فاسد عقیدہ سے براءت کا اظہار کریں۔ ایسے وقت میں عوام کے لیے اجمالی ایمان کافی نہ ہو گا۔

مثال: "حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے بارے میں عوام کے لئے اتنا اعتقاد کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، قبر مبارک پر جا کر درود پڑھا جائے تو خود سنتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اب اگر کسی علاقے میں کوئی فرقہ اس صحیح عقیدہ کے خلاف فاسد عقید پیش کرے تو اس وقت جب علمائے حق صحیح عقائد کی جو توضیح و تشریح کریں اور جس تنقیح سے عقیدہ واضح کریں تو عوام پر بھی لازم ہے کہ اسی توضیح، تنقیح اور تفصیل کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھیں اور فاسد عقائد کا صراحتًا انکار کریں۔ محض اجمال پر اکتفاء نہ کریں۔

اَلْاِیْمَانُ لَایَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

إِيْمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ .

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: آسمان والوں اور زمین والوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔

دلیل نمبر 1:

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَالْاِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُتَصَوَّرُ نُقْصَانُهُ اِلَّا بِزِيَادَةِ الْكُفْرِ ، وَلَا تُتَصَوَّرُ زِيَادَتُهُ اِلَّا بِنُقْصَانِ الْكُفْرِ وَكَيْفَ يَجُوْزُ أَنْ يَكُوْنَ الشَّخْصُ الْوَاحِدُ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ مُؤْمِنًا وَكَافِرًا!

(کتاب الوصیۃ للامام الاعظم ابی حنیفۃ: ص 1)

ترجمہ: ایمان نہ تو بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے، اس لیے کہ ایمان میں زیادتی تبھی ہوگی جب کفر میں کمی ہوگی اور ایمان میں کمی تبھی ہوگی جب کفر میں اضافہ ہوگا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں مسلمان بھی ہو اور کافر بھی؟

دلیل نمبر 2:

"ایمان" نام ہے اس تصدیقِ قلبی کا جو یقین کی حد تک پہنچی ہو جس میں کمی بیشی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اگر یقین میں کمی ہو جائے تو بندہ مؤمن نہیں رہتا اور جب تصدیق؛ یقین کی حد تک پہنچ جائے تو اس میں اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔

سوال:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ عقیدہ قرآن کریم کی آیات کے خلاف ہے اس لئے کہ کئی قرآنی آیات سے ایمان کا بڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ (۱۷۳)﴾

(سورۃ آل عمران:173)

ترجمہ: جب کچھ لوگوں نے ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے کہا کہ بے شک کفار نے تمہارے کے خلاف جنگی سامان جمع کیا ہے، لہٰذا تم ان سے ڈرو۔ تو ان کی اس بات نے ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا ایمان مزید بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

﴿وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۱۲٤)﴾

(سورۃ التوبۃ:124)

ترجمہ: اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان (منافقین) میں سے کچھ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا ہے؟ تو جو لوگ ایمان لائے ہیں اس سورت نے (واقعی) ان لوگوں کے ایمان کو بڑھا دیا ہے اور وہ (اس بات پر) خوش بھی ہیں۔

﴿وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا (۲۲)﴾

(سورۃ الاحزاب:22)

ترجمہ: جب مومنین نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ تو ہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اس سے ان کے ایمان اور اطاعت مزید بڑھ گئی۔

﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ﴾

(سورۃ الفتح:4)

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے مؤمنین کے دلوں میں اطمینان و سکون پیدا کر دیا تا کہ ان کے (موجودہ) ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ ہو جائے۔

﴿وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۠ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا﴾

(سورۃالمدثر:31)

ترجمہ: ہم نے جہنم کے کارندے فرشتوں کو ہی مقرر کیا ہے۔ ہم نے ان فرشتوں کی تعداد اس لیے مقرر کی ہے تا کہ کافروں کی آزمائش ہو، اہلِ کتاب کو یقین آجائے اور اہلِ ایمان کا ایمان بڑھے۔

جواب نمبر1:

ایک ہے ایمان کی کمیت یعنی ''ایمانیات'' کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایمانیات میں سے کسی چیز کو چھوڑا جا سکتا ہے نہ ہی ان میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان ''لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ'' کا بھی یہی مطلب ہے، اور ایک ہے ایمان کی کیفیت یعنی حالت اور کیفیت جو کہ ماحول اور احوال کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔ یہ کیفیت ماحول اچھا ملنے کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے اور ماحول اچھا نہ ملنے کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے۔

تو جہاں قرآن کریم میں ہے کہ ایمان بڑھتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان کیفیت کے اعتبار سے کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے یہ آیات مبارکہ امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کے خلاف نہیں ہیں۔

جواب نمبر2:

ایک ہے ایمان اجمالی اور ایک ہے ایمان تفصیلی۔ ایمان اجمالی نہ بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے ہاں البتہ ایمان تفصیلی میں تفصیلات معلوم ہونے کے ساتھ ایمان تفصیلی بڑھتا رہتا ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ فرماتے ہیں:

وَالْاٰيَاتُ الدَّالَّةُ عَلٰى زِيَادَةِ الْاِيْمَانِ مَحْمُوْلَةٌ عَلٰى مَاذَكَرَهُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى اَنَّهُمْ كَانُوْا اٰمَنُوْا فِي الْجُمْلَةِ ثُمَّ يَاْتِيْ فَرْضٌ بَعْدَ فَرْضٍ وَكَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِكُلِّ فَرْضٍ خَاصَّةً.

(شرح العقائد النسفیہ ص309)

ترجمہ: قرآن کریم کی جن آیات میں ایمان بڑھنے کا تذکرہ ہے تو ان کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اجمالا ایمان لاتے پھر کوئی حکم فرض ہو جاتا تو وہ اس پر بھی ایمان لے آتے اسی کو ایمان کے بڑھنے سے تعبیر کیا گیا۔

فائدہ:

اس جواب میں جس قسم کے اضافے کا ذکر ہے وہ عہدِ نبوت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ عہدِ نبوت میں وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ وحی کے ذریعے ایمانیات کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا جسے "ایمان کے بڑھنے" سے تعبیر کر دیا گیا۔ اب چونکہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس لیے کہ اب ایمان میں اس قسم کا اضافہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اب دین مکمل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ﴾

(سورۃ المائدۃ:3)

ترجمہ: میں نے آج تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا۔

اب حکم ہے کہ امت نے اس دینِ کامل کو مکمل طور پر ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً ۪﴾

(سورۃ البقرۃ:208)

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

شرائطِ ایمان

اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بھی شخص مومن اس وقت شمار ہوتا ہے جب وہ ان تمام چیزوں کی دل وجان سے تصدیق کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، خواہ یہ شخص زبان سے اقرار کرے یا زبان سے اقرار نہ کرے۔

(1): امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت150ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِقَلْبِهٖ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ اللهِ مُؤْمِنًا. وَمَنْ اٰمَنَ بِقَلْبِهٖ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ بِلِسَانِهٖ كَانَ عِنْدَ اللهِ مُؤْمِنًا.

(کتاب العالم والمتعلم: ص10)

ترجمہ: جو شخص زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے لیکن دل سے تصدیق نہیں کرتا تو وہ اللہ کے ہاں مؤمن شمار نہیں ہو گا اور جو شخص دل سے تو تصدیق کرتا ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا تو ایسا شخص اللہ کے ہاں مؤمن شمار ہو گا۔

(2): امام سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی (ت792ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ صَدَّقَ بِقَلْبِهٖ وَلَمْ يُقِرَّ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ عِنْدَ اللهِ.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص122)

ترجمہ: اگر کوئی شخص دل سے تو تصدیق کرتا ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا تو وہ عند اللہ مومن ہو گا۔

(3): شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت1369ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ صَدَّقَ الرَّسُوْلَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَمِيْعِ مَا جَاءَ بِهٖ مِنْ عِنْدِ اللهِ تَعَالٰى فَهُوَ مُؤْمِنٌ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالٰى وَإِنْ لَمْ يُقِرَّ بِلِسَانِهٖ.

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج1 ص434 کتاب الایمان، بحث الاقرار شرط للایمان ام لا)

ترجمہ: جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام باتوں میں تصدیق کرتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں تو ایسا شخص مؤمن کہلائے گا اگرچہ وہ زبان سے اقرار نہ کرتا ہو۔

فائدہ نمبر 1:

ایمان اصل میں "تصدیق قلبی" کا نام ہے اقرار باللسان ایمان کی علامت ونشانی ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت1369ھ) امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی (ت505ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وَالْاِیْمَانُ هُوَ التَّصْدِیْقُ الْمَحْضُ وَاللِّسَانُ تَرْجُمَانُ الْاِیْمَانِ."

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج1 ص435 کتاب الایمان، بحث الاقرار شرط للایمان ام لا)

ترجمہ: ایمان محض تصدیق کا نام ہے اور زبان اس ایمان کی ترجمان ہے۔

فائدہ نمبر 2:

اقرار باللسان تین وقتوں میں ضروری ہے:

[1]: زندگی میں ایک بار ایمان کا زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے تصدیق تو کرتا ہو لیکن قدرت کے باوجود زبانی سے اقرار نہ کرتا ہو تو اسے فاسق کہیں گے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت1369ھ) امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی (ت505ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قَالَ الْغِزَالِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: "اَلدَّرَجَةُ الْخَامِسَةُ أَنْ يُصَدِّقَ بِالْقَلْبِ، وَيُسَلِّمَ، وَيُسَاعِدَهُ مِنَ الْعُمْرِ مُهْلَةُ النُّطْقِ بِكَلِمَتَيِ الشَّهَادَةِ، وَعَلِمَ وُجُوْبَهَا، وَلٰكِنَّهُ لَمْ يَنْطِقْ بِهَا، (وَلَمْ يَجْحَدْ بِهَا) فَيَحْتَمِلُ أَنْ يُجْعَلَ امْتِنَاعُهُ عَنِ النُّطْقِ كَامْتِنَاعِهِ عَنِ الصَّلَاةِ، وَنَقُوْلُ: هُوَ مُؤْمِنٌ غَيْرُ مُخَلَّدٍ فِي النَّارِ.

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج1 ص435 کتاب الایمان، بحث الاقرار شرط للایمان ام لا)

ترجمہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کا پانچواں درجہ یہ ہے کہ انسان دل سے تصدیق کرے، (ظاہر سے) تسلیم بھی کرے اور زندگی میں اسے اتنی مہلت ملے جس میں وہ زبان سے شہادتین کے الفاظ ادا کر سکتا ہو اور اسے یہ علم بھی ہو کہ (زندگی میں ایک بار) زبان سے ادائیگی واجب ہے اور پھر بھی یہ شخص زبان سے شہادتین کے الفاظ ادا نہیں کرتا اور اس کا انکار بھی نہیں کرتا تو اس میں یہ احتمال ہے کہ اس شخص کا زبان سے اظہار کرنے سے رکنا

ایسا ہی ہو جیسے نماز (کو مانتے ہوئے اس) کی ادائیگی سے رکنا ہوتا ہے۔ تو ایسے شخص کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ یہ شخص مومن ہے (سزا پانے کے لیے جہنم میں جائے گا) لیکن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

[2]: بوقت مطالبہ: جب کسی شخص کے بارے میں شبہ ہو کہ یہ مومن ہے یا کافر اور اس وقت اس سے مطالبہ کیا جائے تو اس وقت زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید المعروف ابن الہمام رحمہ اللہ ت 861ھ فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْقَائِلُوْنَ بِعَدَمِ اعْتِبَارِ الْاِقْرَارِ عَلٰی اَنْ یَعْتَقِدَ اَنَّہٗ مَتٰی طُوْلِبَ بِہٖ اَتٰی بِہٖ فَاِنْ طُوْلِبَ بِہٖ فَلَمْ یُقِرَّ فَھُوَ کُفْرُ عِنَادٍ.

(المسایرۃ شرح المسامرۃ عنوان: الخاتمۃ فی بحث الایمان)

ترجمہ: جن متکلمین کے ہاں اقرار باللسان ایمان کے لئے ضروری نہیں وہ سب بھی اس بات پر متفق ہیں کہ جب اقرار باللسان کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اقرار کرے اگر مطالبہ کے باوجود اقرار نہ کیا تو وہ عنادی کافر ہو گا۔

[3]: بوقت اجراءِ احکام۔ کسی شخص پر احکامِ اسلام اس وقت جاری ہوں گے جب وہ اپنی زبان سے اسلام کا اقرار کرے۔

امام ابو المعین میمون بن محمد بن محمد بن معبد بن مکحول النسفی الحنفی (ت 508ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ أَتٰی بِھٰذَا التَّصْدِیْقِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فِیْمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللہِ تَعَالٰی. وَالْاِقْرَارُ یُحْتَاجُ اِلَیْہِ لِیَقِفَ عَلَیْہِ الْخَلْقُ فَیُجْرُوا أَحْکَامَ الْاِسْلَامِ.

(التمہید فی اصول الدین للنسفی: ص146 فصل فی ماھیۃ الایمان)

ترجمہ: جو شخص یہ تصدیق کرے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاں بطور مؤمن ہو گا۔ اقرارِ لسانی کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے تاکہ لوگ اس شخص کے ایمان کو جان سکیں اور احکامِ اسلام اس پر جاری کر سکیں۔

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

وَذَھَبَ جُمْھُوْرُ الْمُحَقِّقِیْنَ اِلٰی أَنَّہٗ ھُوَ التَّصْدِیْقُ بِالْقَلْبِ وَاِنَّمَا الْاِقْرَارُ شَرْطٌ لِاِجْرَاءِ الْأَحْکَامِ فِی الدُّنْیَا لِمَا أَنَّ تَصْدِیْقَ الْقَلْبِ أَمْرٌ بَاطِنٌ لَا بُدَّ لَہٗ مِنْ عَلَامَۃٍ.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص122)

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ ایمان تو "تصدیقِ قلبی" ہی کا نام ہے۔ رہا زبان سے اقرار کرنا تو وہ دنیاوی احکام جاری کرنے کے لیے شرط ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تصدیق ایک باطنی امر ہے جس کے لیے کسی ظاہری علامت کا پایا جانا ضروری ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) لکھتے ہیں:

اَلْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ شَرْطٌ لِلْاِیْمَانِ فِیْ حَقِّ اِجْرَاءِ الْأَحْکَامِ فَقَطْ.

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج 1 ص 434 کتاب الایمان، بحث الاقرار شرط للایمان ام لا)

ترجمہ: اقرار باللسان کا ایمان کے لیے شرط ہونا فقط دنیاوی احکام کے جاری ہونے کے اعتبار سے ہے۔

فائدہ نمبر 3:

یہ معاملہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہے مگر اسے کسی معاشرہ میں مومن اس وقت سمجھا جائے گا جب اس میں دو شرائط پائی جائیں:

1: اقرار باللسان (زبان سے شہادتین کا اقرار کرنا)

2: براءت عن اہل الباطل (ادیانِ باطلہ سے براءت کا اعلان کرنا)

فائدہ نمبر 4:

اگر کوئی شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہے، زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن دیگر ادیان کو باطل نہیں سمجھتا تو اس کا ایمان معتبر نہیں۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی رحمہ اللہ ت 1088ھ فرماتے ہیں:

(وَإِسْلَامُهُ أَنْ يَتَبَرَّأَ عَنِ الْأَدْيَانِ) سِوَى الْإِسْلَامِ (أَوْ عَمَّا انْتَقَلَ إِلَيْهِ) بَعْدَ نُطْقِهِ بِالشَّهَادَتَيْنِ.

(الدر المختار: باب المرتد)

ترجمہ: مرتد کا اسلام تب قبول ہو گا جب وہ کلمہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے یا جو دین اس نے اختیار کر رکھا ہے اس سے اعلان برات کرے۔

علامہ علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

وَلَوْ أَتٰى بِهِمَا عَلٰى وَجْهِ الْعَادَةِ لَمْ يَنْفَعْهُ مَا لَمْ يَتَبَرَّأْ (بَزَّازِيَّةٌ).

(الدر المختار: باب المرتد)

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص ادیانِ باطلہ سے اعلانِ براءت کئے بغیر صرف کلمہ پڑھتا ہے تو اس سے اس شخص کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ یہ بات فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

اسلام

اسلام کا لغوی معنی:

لغت کی کتاب "المنجد" میں ہے:

اَلْإِسْلَامُ (مص) اَلْاِنْقِیَادُ لِأَمْرِ الْآمِرِ وَنَهْيِهِ بِلَا اعْتِرَاضٍ.

(المنجد فی اللغۃ: ص347)

ترجمہ: اسلام؛ مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے کہ کسی کے حکم کرنے یا منع کرنے کے سامنے بلا چوں چرا سر جھکا دینا۔

اسلام کا اصطلاحی معنی:

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت150ھ فرماتے ہیں:

وَالْإِسْلَامُ هُوَ التَّسْلِيْمُ وَالْاِنْقِيَادُ لِأَوَامِرِ اللهِ تَعَالٰى.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: اسلام؛ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو تسلیم کرنے اور ان کی اطاعت کرنے کا نام ہے۔

ایمان اور اسلام میں فرق:

[۱]: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾

(سورۃ الحجرات:14)

ترجمہ: یہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے پیغمبر! آپ ان سے فرما دیجیے کہ تم لوگ ایمان تو نہیں لائے، البتہ یہ کہو کہ ہم نے ظاہری طور پر خود کو آپ کے سپرد کر دیا ہے اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

[۲]: امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ

الشَّعَرِ، لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتّٰى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا"، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ، وَيُصَدِّقُهُ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ، قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ"، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ، قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ"، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ، قَالَ: "مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَتِهَا، قَالَ: "أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ"، قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا، ثُمَّ قَالَ لِي: "يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟" قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ."

(صحیح مسلم: کتاب الایمان رقم الحدیث 1)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص ہمارے سامنے نمودار ہوا۔ اس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ اس شخص پر سفر کا کوئی نام ونشان دکھائی دیتا تھا نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیے، اور اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیے، اور عرض کی: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد - صلی اللہ علیہ وسلم - اس کے رسول ہیں، نماز کا اہتمام کیا کرو، زکاۃ ادا کیا کرو، رمضان کے روزے رکھا کرو اور اگر اللہ کے گھر تک کے راستہ کی استطاعت ہو تو اس کا حج کیا کرو۔“ اس آنے والے شخص نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتا ہے اور خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر اس

نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخری دن پر ایمان رکھو اور اچھی اور بری تقدیر پر بھی ایمان لاؤ۔“ اس نے کہا: آپ نے درست فرمایا۔ پھر اس نے کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے (یعنی پہلی کیفیت پیدا نہ) تو (یہ تصور کرو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ پھر اس شخص نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس سے اس کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔“ پھر اس نے کہا: تو مجھے قیامت کی علامات ہی بتادیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور یہ کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، محتاج، بکریاں چرانے والے لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ اونچی سے اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ (فخر ومباحات) کر رہے ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر وہ سائل چلا گیا۔ میں اسی عالم میں رہا (یعنی سوچتا رہا کہ یہ شخص کون تھا؟)، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ”اے عمر! تمہیں معلوم ہے کہ یہ سوالات پوچھنے والا شخص کون تھا؟“ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، تمہارے پاس آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں!“

[۳]: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ قَالَ: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا. اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَأَحْيِهٖ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْإِيْمَانِ".

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج3 ص367 کتاب الجنائز باب الدعاء فی الصلاۃ علی الجنازۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھتے تو یہ دعا مانگتے تھے: ”اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے، ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کو بخش دے، ہمارے مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جس کو زندہ

رکھے تو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے تو ایمان کی حالت میں موت دے۔"

فائدہ:

ایمان اور اسلام میں جو بظاہر فرق نظر آرہا ہے یہ لغوی اعتبار سے ہے وگرنہ شرعی اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں کہ "ایمان" کا معنی ہے دل وجان سے یقین کرنا اور "اسلام" کا معنی ہے دل وجان سے خود کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرنا۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت150ھ فرماتے ہیں:

فَمِنْ طَرِيْقِ اللُّغَةِ فَرْقٌ بَيْنَ الْإِسْلَامِ وَالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ لَا يَكُوْنُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ وَلَا يُوْجَدُ إِسْلَامٌ بِلَا إِيْمَانٍ وَهُمَا كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: لغوی اعتبار سے تو اسلام اور ایمان میں فرق ہے لیکن ایمان (شرعاً) اسلام کے بغیر اور اسلام (شرعاً) ایمان کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔ ان کا آپس میں تعلق ایسے ہے جیسے پیٹھ اور پیٹ کا تعلق ہے (کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے)

معیارِ ایمان:

عقائد میں معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں یعنی عقیدہ وہی معتبر ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین والا ہوگا۔

دلیل نمبر1:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾ (سورۃ البقرۃ:137)

ترجمہ: اگر لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسا ایمان لائیں گے تو ہدایت پائیں گے۔

سوال:

اللہ رب العزت نے ایمان کے قبول ہونے کی شرط یہ لگائی کہ تمہارا ایمان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان

جیسا ہو تو میں قبول کروں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ایمان ہونا ممکن ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے ہے، نہ نبی نے آنا ہے نہ نبی کی صحبت ملنی ہے اور نہ صحابی جیسا ایمان ہونا ہے۔ تو ہمیں اس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے جس کی ہم میں استطاعت ہی نہیں۔ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب:

"مثل" کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

1: مثل بالکمیت (مقدار میں)

2: مثل بالکیفیت (کیفیات اور احوال میں)

تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ایمانی کمیت صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی کمیت جیسی ہو، مطلب یہ کہ جن جن چیزوں پر وہ ایمان لائے ہیں ان ان چیزوں پر ایمان لاؤ گے تو کامیابی ہے، اس سے کیفیت ایمان مراد نہیں۔

فائدہ:

مثل بالکیفیت کی طرح مثل بالکمیت بھی قرآن مجید میں ذکر ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ﴾

(سورۃ الطلاق:12)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے اور سات ہی زمینیں پیدا فرمائیں۔

اس آیت کریمہ میں "مثل" سے مراد "مثل بالکمیت" ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان سات بنائے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمینیں بھی سات ہی بنائی ہیں۔

دلیل نمبر2:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِي مَا أَتٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ

مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً." قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي."

(جامع الترمذی: باب ماجاء فی افتراق الامۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ساتھ وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ بدکاری کی ہو گی تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہو گا جو اس کا مرتکب ہو گا۔ مزید فرمایا: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک جماعت کو چھوڑ کر باقی سب فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! جنت میں جانے والی جماعت کون سی ہو گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو بات میری اور اس کا مطلب میرے صحابہ سے لیں گے۔

فائدہ:

جس طرح ایمان میں معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اسی طرح اعمال میں بھی معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی ہیں۔

دلیل نمبر 1:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

(سورۃ التوبۃ:100)

ترجمہ: مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ پاک سے راضی ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ کے الفاظ ہیں۔ "اتباع" کا معنی ہے "اعمال میں کسی کے نقشِ قدم پر چلنا"۔

دلیل نمبر 2:

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی (ت 463ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَبَرَّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالًا، قَوْمًا اخْتَارَهُمُ اللهُ تَعَالٰى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِقَامَةِ دِينِهٖ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ فِي آثَارِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهَدْيِ الْمُسْتَقِيمِ.

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج2ص198)

ترجمہ: امام قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص اقتداء کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرے۔ کیونکہ یہ حضرات امت میں سب سے پاکیزہ دل والے تھے، گہرے علم والے تھے، مزاج میں سب سے زیادہ بے تکلف تھے، دینی امور میں نہایت معتدل اور بہترین اخلاق والے تھے۔ یہ وہ جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے آثار کی اتباع کرو کیونکہ یہی لوگ صراط مستقیم پر ہیں۔

اشکال نمبر 1:

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گناہوں کا صدور ہوا ہے۔ اگر وہ معیارِ حق ہیں تو کیا اس کا یہی معنی ہو گا کہ ہم بھی انہی گناہوں کا ارتکاب کریں؟

جواب:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کا معنی یہ ہے کہ جو نیک اعمال وہ کریں ہم بھی وہی کریں اور اگر ہم سے گناہ ہو جائے تو پھر دیکھیں کہ جب صحابی سے گناہ سرزد ہوا تھا تو جس طرح انہوں نے توبہ کی تھی ہم بھی اسی طرح توبہ کریں۔

اشکال نمبر 2:

قرآن کریم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معیارِ حق ہیں نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اس لیے کہ قرآن کریم ہر اعتبار سے محفوظ ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ تو معیارِ حق یہی دو ہیں۔

جواب:

قرآن کریم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق۔

قرآن کریم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہونا واضح ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کا معنی یہ ہے کہ ہم قرآن کریم اسی کتاب کو کہیں گے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ہمیں ملی ہے۔ اسی طرح حدیث رسول، سنتِ رسول اور سیرتِ رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بھی اسے ہی کہیں گے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ہمیں ملی ہو۔

اس معنی کے اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

کفر کا بیان

کفر کا لغوی معنٰی:

علامہ محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین المناوی رحمہ اللہ (ت 1031ھ) لکھتے ہیں:

اَلْکُفْرُ: تَغْطِیَةُ مَا حَقُّهُ الْإِظْهَارُ.

(التعاریف: فصل الفاء)

ترجمہ: جس چیز کو ظاہر کرنا چاہیے اسے چھپالینا "کفر" کہلاتا ہے۔

کفر کا اصطلاحی معنٰی:

اَلْکُفْرُ هُوَ التَّکْذِیْبُ بِمَا عُلِمَ مَجِيءُ النَّبِيِّ بِهٖ ضَرُوْرَةً.

(تنقیحاتِ متکلم اسلام)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں بدیہی طور پر ثابت ہیں ان کا انکار کرنا کفر کہلاتا ہے۔

کفر کی اقسام

[1]: کفر انکار

اسلام کو ظاہراً اور باطناً نہ ماننا.

مثال: عامۃ الکفار کا کفر۔

[2]: کفر نفاق

زبان سے اسلام کا اظہار کرنا مگر دل سے انکار کرنا۔

مثال: عبد اللہ بن ابی کا کفر۔

نفاق کی قسمیں:

نفاق کی دو قسمیں ہیں:

ا: نفاق اعتقادی

اسلام کا اظہار کر کے کفر کو چھپانا۔

مثال: عبد اللہ بن ابی بن سلول۔

کفر کی یہ قسم انتہائی خطرناک ہے اور اس کا اخروی انجام سب سے برا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ (سورۃ النساء:145)

ترجمہ: بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور آپ کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

۲: نفاق عملی

دل میں ایمان موجود ہو اور زبان سے اس کا اظہار بھی کیا جائے لیکن بعض کام ایسے کئے جائیں جو منافقین کی عادات ہیں جیسے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔

فائدہ نمبر1: قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں منافقین کی کئی علامات بتائی گئی ہیں:

(1): ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا (۱٤۲)﴾

(سورۃ النساء:142)

ترجمہ: منافقین اپنے گمان میں اللہ تعالیٰ کو دھوکا دے رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت اس نے انہیں دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔ اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے اور لوگوں کے دکھانے کو کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

(2): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ."

(صحیح البخاری: کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف کرے اور اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(3): امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا؛ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ."

(صحیح البخاری: کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار خصلتیں جس کے اندر ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس کے اندر ان چار میں سے ایک خصلت ہو تو اس میں اسی خصلت کے بقدر نفاق ہوگا۔ وہ خصلتیں یہ ہیں:

1: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

2: جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

3: جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔

4: جب بحث و تکرار کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

فائدہ نمبر2: یہ اور ان جیسی دیگر احادیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اپنی ذات میں غور کرے کو خود کو ان علامات سے بچانے کی فکر کرے۔ اگر خدانخواستہ اس میں یہ علامات پائی جاتی ہوں تو انہیں دور کرنے کی کوشش کرے۔ ان احادیث کا مطلب یہ نہیں کہ انسان جس شخص میں یہ علامات دیکھے تو اس پر نفاق کا فتویٰ لگائے۔

فائدہ نمبر3: ”نفاقِ عملی“ اگرچہ حقیقتاً کفر کی قسم نہیں کیونکہ یہاں ”نفاق“ سے مراد ”نفاقِ اعتقادی“ ہے اور یہ عملی ہے لیکن اسے کفر کی اقسام میں شمار کرنا ایسے ہی ہے جس طرح ”حدیث موضوع“ کو حدیث کی قسم اور ”تاویل باطل“ کو تاویل کی قسم شمار کیا جاتا ہے۔

[3]: کفرارتداد

اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جانا۔

مثال: عبد اللہ بن نَواحہ کا کفر۔

فائدہ: مسیلمہ کذاب نے جب دعویٰ نبوت کیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو قاصد بھیجے ان میں سے ایک عبد اللہ بن نواحہ اور دوسرا ابن اُثال تھا۔ سن 11 ہجری میں جب مسیلمہ اور اس کے متبعین پر چڑھائی کی گئی تو مسیلمہ اور اس کے کئی متبعین اس جنگ میں واصل جہنم ہوئے اور کئی متبعین بچ گئے۔ عبد اللہ بن نواحہ بھی انہی میں سے تھا جو بچ گئے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا لیکن بعد میں مرتد ہو گیا اور اس ارتداد کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کروادیا۔

اس کے قتل کا واقعہ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی (ت405ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمَسْعُودِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! إِنَّ هَا هُنَا قَوْمًا يَقْرَءُونَ مِنْ قِرَاءَةِ مُسَيْلِمَةَ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: أَكِتَابٌ غَيْرُ كِتَابِ اللهِ، أَوْ رَسُولٌ غَيْرُ رَسُولِ اللهِ بَعْدَ فَشْوِ الْإِسْلَامِ؟" فَرَدَّهُ فَجَاءَ إِلَيْهِ بَعْدُ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ! وَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ أَنَّهُمْ فِي الدَّارِ لَيَقْرَءُونَ عَلٰى قِرَاءَةِ مُسَيْلِمَةَ، وَإِنَّ مَعَهُمْ لَمُصْحَفًا فِيهِ قِرَاءَةُ مُسَيْلِمَةَ، وَذَالِكَ فِي زَمَانِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لِقَرَظَةَ وَكَانَ صَاحِبَ خَيْلٍ: "اِنْطَلِقْ حَتّٰى تُحِيطَ بِالدَّارِ فَتَأْخُذَ مَنْ فِيهَا، فَفَعَلَ فَأَتَاهُ بِثَمَانِينَ رَجُلًا، فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ اللهِ: "وَيْحَكُمْ أَكِتَابٌ غَيْرُ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى، أَوْ رَسُولٌ غَيْرُ رَسُولِ اللهِ؟" فَقَالُوا: نَتُوبُ إِلَى اللهِ، فَإِنَّا قَدْ ظَلَمْنَا، فَتَرَكَهُمْ عَبْدُ اللهِ لَمْ يُقَاتِلْهُمْ، وَسَيَّرَهُمْ إِلَى الشَّامِ، غَيْرَ رَئِيسِهِمُ ابْنِ النَّوَّاحَةِ أَبٰى أَنْ يَتُوبَ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لِقَرَظَةَ: "اذْهَبْ فَاضْرِبْ عُنُقَهُ، وَاطْرَحْ رَأْسَهُ فِي حِجْرِ أُمِّهِ، فَإِنِّي أُرَاهَا قَدْ عَلِمَتْ فِعْلَهُ فَفَعَلَ.

ثُمَّ أَنْشَأَ عَبْدُ اللهِ يُحَدِّثُ بِحَدِيثٍ، فَقَالَ: "إِنَّ هٰذَا جَاءَ هُوَ وَابْنُ أُثَالٍ رَسُولَيْنِ مِنْ عِنْدِ

مُسَيْلِمَةَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ؟" فَقَالَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَشْهَدُ أَنَّ مُسَيْلِمَةَ رَسُولُ اللهِ؟" فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْلَا إِنَّكَ رَسُولٌ لَقَتَلْتُكَ." فَجَرَتِ السُّنَّةُ يَوْمَئِذٍ أَنْ لَا يُقْتَلَ رَسُولٌ."

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ج3 ص54 ذکر مسلیمۃ الکذاب وادعائہ النبوۃ)

ترجمہ: قاسم بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ المسعودی اپنے والد عبد الرحمٰن بن عبد اللہ المسعودی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا: ابو عبد الرحمٰن! یہاں کچھ لوگ ہیں جو مسیلمہ کی قرأت پڑھتے ہیں (یعنی قرآن کو چھوڑ کر مسیلمہ کی کتاب پڑھتے ہیں) تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اسلام پھیل چکا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علاوہ بھی کوئی کتاب ہے اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی علاوہ بھی کوئی رسول ہے؟ (کہ جس کی پیروی کی جائے) چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے (یہی بات کہہ کر ان لوگوں کی) تردید فرمادی۔ وہ شخص پھر آیا اور کہنے لگا: اے عبد اللہ! اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی پرودگار نہیں، یہ لوگ ایک گھر میں جمع ہیں اور مسیلمہ کی قرأت پڑھتے ہیں اور ان کے پاس ایک مصحف ہے جس میں مسیلمہ کی قرأت ہے۔ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرظہ کو حکم فرمایا جو کہ گھڑسوار تھا کہ جاؤ، اس مکان کا محاصرہ کرو اور جو افراد اُس میں موجود ہوں انہیں پکڑ لو۔ چنانچہ وہ گیا اور اُسی افراد کو پکڑ کر لے آیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تم لوگوں پر افسوس ہے، کیا اللہ کی کتاب کے علاوہ بھی کوئی کتاب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی کوئی رسول ہے؟ (کہ جن کی اتباع کی جائے؟) ان سب نے عرض کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں، واقعی ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سب کو چھوڑ دیا اور قتل نہ کیا بلکہ انہیں شام کی طرف روانہ کر دیا سوائے ان کے سربراہ عبد اللہ بن نواحہ کے کیوں کہ اس نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرظہ کو فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کی گردن اڑادو اور اس کے سر کو اس کی ماں کی گود میں ڈال دو کیونکہ مجھے علم ہے کہ اس کی ماں کو اس کے ان کرتوتوں کو پتا ہے۔ چنانچہ قرظہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان فرمانے لگے، فرمایا کہ

یہ (عبد اللہ بن نواحہ) اور ابن اُثال مسیلمہ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نمائندے بن کر آئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو اِس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کے رسول ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا کہ "اگر تو سفیر نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔" اس وقت سے یہ طریقہ کار جاری ہوا کہ سفیر کو قتل نہیں کیا گیا۔

کم وبیش یہی واقعہ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) نے اپنی کتاب الاصابۃ فی تمیز الصحابہ رضی اللہ عنہم (ج 5 ص 215) اور تغلیق التعلیق (ج 3 ص 29) میں بھی ذکر کیا ہے۔

[4]: کفر شرک

اللہ کو مان کر اس کی ذات یا مخصوص صفات میں کسی غیر کو شریک کرنا۔

مثال: مشرکینِ مکہ۔

[5]: کفر کتابی

پہلی کسی آسمانی کتاب کو مانتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد قرآن کریم کا انکار کرنا۔

مثال: یہود و نصاریٰ۔

[6]: کفر دہری

عالَم کو قدیم مان کر حوادثات کو زمانہ کی طرف منسوب کرنا۔

مثال: فرقہ دہریہ

[7]: کفر معطّلی

وجود باری تعالیٰ کا انکار کرنا۔

مثال: فرقہ معطّلہ

[8]: کفرزندقہ

اس کی دو صورتیں ہیں:

1: ایمان کا دعویٰ کر کے ضروریات دین کا صراحتاً انکار کرنا۔

مثال: دعویٰ اسلام کے ساتھ خلافتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا انکار۔

2: ایسی تاویل کرنا جو امت کے متواتر عقیدہ کے منافی ہو۔

مثال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مان کر ختم نبوت میں ظِلّی اور بُرُوزی کی تاویل کرنا۔

فائدہ: بُرُوزی کا معنی:

"بُرُوز" (با اور را کے ضمہ کے ساتھ) کا معنی ہے کہ کسی ایک شخصیت کی جگہ کوئی دوسرا شخص ظاہر ہو جائے۔ مرزائی لوگ مرزا قادیانی کو "بروزی نبی" مانتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ - معاذ اللہ - مرزا قادیانی؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر ظاہر ہوا ہے۔

[9]: کفر جحود

دل سے ایمان کی حقانیت سمجھنا اور زبان سے اعتراف نہ کرنا۔

مثال: ابلیس۔

[10]: کفر عناد

دل سے حق سمجھنا، زبان سے اقرار بھی کرنا مگر اسے قبول نہ کرنا۔

مثال: ابو طالب۔

[11]: کفر مفادی

کسی دنیاوی مفاد کی غرض سے اپنے آپ کو کافر کہنا یا لکھنا۔

مثال: بعض لوگوں کا کسی کافر ملک کا ویزہ حاصل کرنے کے لیے ویزا فارم میں دین (Religion) کے خانے میں

خود کو "قادیانی" یا کوئی اور غیر مسلم لکھوانا۔

فائدہ: اپنے آپ کو صراحتاً کسی کافر فرقہ یا اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی طرف منسوب کرنا موجبِ کفر ہے۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

سوال:

کفرِ مفادی (جس میں لوگ خود کو "قادیانی" یا کوئی اور غیر مسلم لکھ دیتے ہیں) اگر کفر ہے تو حالتِ اضطرار یا کسی دینی مصلحت کے پیشِ نظر کلمہ کفر کہنا بھی کفر ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بھی انسان کلمہ کفر زبان سے کہتا ہے۔

جواب:

ایک ہے دفعِ مضرت (نقصان سے بچنے) کے لیے کلمہ کفر کہنا اور ایک ہے جلبِ منفعت (مفاد کے حصول) کے لیے کلمہ کفر کہنا۔ دونوں میں فرق ہے۔ اول؛ کفر نہ ہو گا جبکہ ثانی کفر ہو گا۔ نیز دفعِ مضرت کے لیے کلمہ کفر کہنے کی گنجائش اس وقت ہے جب وہ مضرت ایسی ہو جسے شریعت سے مضرت سمجھا ہو۔

فائدہ: حالتِ اضطرار یا کسی دینی مصلحت کی وجہ سے کلمہ کفر کہنا موجب کفر نہیں۔ اس کی تفصیل اور دلیل آگے آ رہی ہے (بہ عنوان: عدمِ تکفیر کے اسباب، سبب نمبر 4 "دینی ضرورت")

فائدہ نمبر 1:

کفر کی ان گیارہ (11) اقسام میں سے آٹھ اقسام کا تذکرہ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ نے جبکہ قسم نمبر نو (9) اور دس (10) کا اضافہ خاتم المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ 1352ھ نے کیا ہے۔ گیارھویں (11) قسم صراحت کے ساتھ کتبِ علم الکلام میں ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن موجودہ دور میں چونکہ ایسا معاملہ پیش آتا رہتا ہے اس لیے بندہ نے ان اقسام میں اس قسم کا اضافہ کر دیا ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ لکھتے ہیں:

[1]: قَدْ ظَهَرَ أَنَّ الْكَافِرَ اسْمٌ لِّمَنْ لَا إِيْمَانَ لَهٗ

[2]: فَإِنْ أَظْهَرَ الْإِيْمَانَ خُصَّ بِاسْمِ الْمُنَافِقِ

[3]: وَإِنْ طَرَأَ كُفْرُهُ بَعْدَ الْإِسْلَامِ خُصَّ بِاسْمِ الْمُرْتَدِّ لِرُجُوعِهِ عَنِ الْإِسْلَامِ

[4]: وَإِنْ قَالَ بِإِلٰهَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ خُصَّ بِاسْمِ الْمُشْرِكِ لِإِثْبَاتِهِ الشَّرِيْكَ فِي الْأُلُوهِيَّةِ

[5]: وَإِنْ كَانَ مُتَدَيِّنًا بِبَعْضِ الْأَدْيَانِ وَالْكُتُبِ الْمَنْسُوخَةِ خُصَّ بِاسْمِ الْكِتَابِي كَالْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ

[6]: وَإِنْ كَانَ يَقُوْلُ بِقِدَمِ الدَّهْرِ وَإِسْنَادِ الْحَوَادِثِ إِلَيْهِ خُصَّ بِاسْمِ الدَّهْرِيِّ

[7]: وَإِنْ كَانَ لَا يُثْبِتُ الْبَارِيَ تَعَالٰى خُصَّ بِاسْمِ الْمُعَطِّلِ

[8]: وَإِنْ كَانَ مَعَ اعْتِرَافِهِ بِنُبُوَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِظْهَارِهِ شَعَائِرَ الْإِسْلَامِ بِبَطْنِ عَقَائِدَ هِيَ كُفْرٌ بِالْاِتِّفَاقِ خُصَّ بِاسْمِ الزِّنْدِيْقِ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام: ج2ص268،269)

ترجمہ:

[1]: یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جو مومن نہ ہو اسے ”کافر“ کہتے ہیں۔

[2]: اگر دل میں ایمان نہ ہو مگر ایمان کا دعوی کرے تو وہ ”منافق“ ہے۔

[3]: اگر ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے تو اسے ”مرتد“ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے۔

[4]: اگر کئی معبودوں کی عبادت کا قائل ہو تو اسے ”مشرک“ کہا جائے گا اس لئے کہ وہ الوہیت میں شرکت کا قائل ہے۔

[5]: اگر کوئی شخص پہلی آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب یا گزشتہ ادیان میں سے کسی دین کا پابند ہو جیسے یہود ونصاری تو اسے ”کتابی“ کہا جاتا ہے۔

[6]: اگر کسی کا نظریہ ہو کہ عالم قدیم ہے اور وہ حوادثات کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو اسے ”دھریہ“ کہتے ہیں۔

[7]: اگر کوئی شخص وجود باری تعالیٰ کا قائل ہی نہ ہو تو اسے ”معطلی“ کہا جاتا ہے۔

[8]: اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قائل ہو اور ظاہری طور پر اسلامی شعائر (نماز، روزہ

وغیرہ)کا پابند ہو مگر دل میں ایسے نظریات رکھتا ہو جو بالاتفاق کفریہ ہیں تو اسے ”زندیق“ کہتے ہیں۔

خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ت 1352ھ لکھتے ہیں:

[9]: وَاَمَّا كُفْرُ الْجُحُوْدِ فَهُوَ اَنْ يَعْرِفَ الْحَقَّ بِقَلْبِهٖ وَلَا يُقِرَّ بِلِسَانِهٖ كَكُفْرِ اِبْلِيْسَ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ يَعْنِيْ كُفْرَ الْجُحُوْدِ.

[10]: وَاَمَّا كُفْرُ الْمُعَانَدَةِ فَهُوَ اَنْ يَعْرِفَ بِقَلْبِهٖ وَيُقِرَّ بِلِسَانِهٖ وَلَا يَقْبَلَ وَلَا يَتَدَيَّنَ بِهٖ كَكُفْرِ اَبِيْ طَالِبٍ.

(فیض الباری علی صحیح البخاری: ج1 ص71 کتاب الایمان، اقسام الکفر)

ترجمہ:

[9]: کفر جحود دل سے حق کو پہچانتا ہو لیکن زبان سے اس کا اقرار نہ کرتا ہوں جیسے ابلیس کا کفر اور یہود کے بارے اللہ پاک نے فرمایا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس وہ حق لے کر آئے جسے وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے انکار کر دیا۔

[10]: کفر عناد دل سے بھی حق سمجھتا ہو زبان سے اقرار بھی کرتا ہو لیکن اسے قبول نہ کرے جیسے ابو طالب۔

کفر کی گیارھویں قسم ”کفر مفادی“ ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے:

[11]: وَأَمَّا كُفْرُ الْمَفَادِ فَهُوَ أَنْ يَصِفَ الرَّجُلُ نَفْسَهٗ بِالْكُفْرِ كَلَامًا أَوْ كِتَابَةً مِنْ أَجْلِ مَصْلِحَةٍ دُنْيَوِيَّةٍ.

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

ترجمہ: کسی شخص کا کسی دنیاوی مفاد کی غرض سے اپنے آپ کو کافر کہنا یا لکھنا۔

فائدہ نمبر 2:

کفر کی تمام اقسام اگرچہ آج موجود ہیں لیکن ہم کسی شخص کو کفر نفاق کی بنیاد پر منافق نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ کفر نفاق میں زبان سے اسلام کا اظہار اور دل میں کفر ہوتا ہے جسے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ وحی الٰہی ہے اس لئے کفر نفاق دور نبوت کے ساتھ مختص ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ (ت 1396ھ) لکھتے ہیں:

"کیا کفر و نفاق عہد نبوی کے ساتھ مخصوص تھا یا اب بھی موجود ہیں؟ اس معاملہ میں صحیح یہ ہے کہ منافق کے نفاق کو پہچاننا اور اس کو منافق قرار دینا دو طریقوں سے ہوتا تھا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بذریعہ وحی بتلا دیا کہ فلاں شخص دل سے مسلمان نہیں منافق ہے دوسرے یہ کہ اس کے کسی قول و فعل سے کسی عقیدہ اسلام کے خلاف کوئی بات یا اسلام کی مخالفت کا کوئی عمل ظاہر اور ثابت ہو جائے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد انقطاع وحی کے سبب ان کے پہچاننے کی پہلی صورت تو باقی نہ رہی مگر دوسری صورت اب بھی موجود ہے جس شخص کے کسی قول و فعل سے اسلامی قطعی عقائد کی مخالفت یا ان پر استہزاء یا تحریف ثابت ہو جائے مگر وہ اپنے ایمان و اسلام کا مدعی بنے تو وہ منافق سمجھا جائے گا ایسے منافق کا نام قرآن کریم کی اصطلاح میں ملحد ہے، الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا اور حدیث میں اس کو زندیق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے مگر چونکہ اس کا کفر دلیل سے ثابت اور واضح ہو گیا اس لئے اس کا حکم سب کفار جیسا ہو گیا الگ کوئی حکم اس کا نہیں ہے اسی لئے علماء امت نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منافقین کا قضیہ ختم ہو گیا اب جو مومن نہیں وہ کافر کہلائے گا۔"

(تفسیر معارف القرآن: ج1 ص126 تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 8 ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾)

فائدہ نمبر 3:

اگر کوئی شخص خود کو کسی کافر فرقہ کی طرف منسوب کرے تو اس کو کافر ہی سمجھا جائے گا اگرچہ اسے اس کافر فرقہ کے عقائد کا علم نہ ہو جس طرح اگر کوئی شخص خود کو مسلمان کہے تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا اگرچہ اسے اسلامی عقائد کا علم نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

مُسْلِمٌ قَالَ: "أَنَا مُلْحِدٌ" يَكْفُرُ، وَلَوْ قَالَ: "مَا عَلِمْتُ أَنَّهٗ كُفْرٌ" لَا يُعْذَرُ بِهٰذَا رَجُلٌ.

(فتاویٰ عالمگیری: ج2 ص279 کتاب الحدود مَا يَتَعَلَّقُ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَكَلَامِ الْفَسَقَةِ وَالْفُجَّارِ)

ترجمہ: ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ "میں ملحد ہوں" تو ایسا کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر وہ یہ کہے کہ "مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ خود کو ملحد کہنا کفر ہے" تب بھی اس کا یہ عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

﴿شرائط تکفیر﴾

کسی انسان کے کافر ہونے کا فتوی دینا ایک نازک اور اہم ترین مرحلہ ہے اور یہ افتاء کا ایک اہم جزء ہے اس لئے فتوی کفر دینے والے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ فتویٰ کفر دینے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

[1]: فتویٰ دینے والا شخص اھلِ افتاء میں سے ہو۔

[2]: فتویٰ دینے والا شخص عرف سے واقف ہو۔

[3]: جس شخص کے بارے میں فتویٰ کفر دیا جارہا ہے اس میں اسبابِ کفر میں سے کوئی سبب موجود ہو۔

[4]: جس شخص کے بارے میں فتویٰ کفر دیا جارہا ہے اس میں موانع کفر موجود نہ ہوں۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام حفظہ اللہ)

شرائط اھلِ افتاء

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ ت676ھ نے مفتی کی یہ شرائط بیان کی ہیں:

1. كَوْنُهٗ مُكَلَّفًا: عاقل و بالغ ہو، (شریعت کے احکام کا مکلّف ہو، نابالغ اور مجنون نہ ہو)
2. مُسْلِماً: مسلمان ہو،
3. ثِقَةً: ثقہ ہو (یعنی اپنے فن میں پختہ و مضبوط آدمی ہو)،
4. مَأْمُوناً: با اعتماد ہو،
5. مُتَنَزِّهاً عَنْ أَسْبَابِ الْفِسْقِ: اسباب فسق سے بچنے والا ہو،
6. وَخَوَارِمِ الْمَرَوَّةِ: خلاف مروّت امور سے بچنے والا ہو،
7. فَقِيْهَ النَّفْسِ: فقہی ذوق کا حامل ہو یا نفس کے مکر و فریب سے واقف ہو،
8. سَلِيْمَ الذِّهْنِ: ذکاوت و فطانت والا ہو،

9. رَصِيْنَ الْفِكْرِ: پختہ رائے والا ہو،

10. صَحِيْحَ التَّصَرُّفِ وَالْاِسْتِنْبَاطِ: اصول و قواعد کو فروعات پر منطبق کرنے اور دلائل کی تہہ میں چھپے مسائل نکالنے کا درست ملکہ رکھنے والا ہو،

11. مُتَيَقِّظاً: بیدار مغز ہو،

(مقدمۃ المجموع شرح المہذب: 1/ 469)

فائدہ:

یہ اہلِ افتاء کی شرائط تھیں البتہ آزاد ہونا یا غلام ہونا، مرد ہونا یا عورت ہونا، بینا ہونا یا نابینا ہونا، بولنے پر قادر ہونا یا نہ ہونا، لکھ سکنا یا اشارہ سے بتا سکنا شرط نہیں بلکہ ان تمام اصناف کے حامل افراد میں بھی اگر مذکورہ شرائط پائی جاتی ہوں تو وہ فتویٰ دے سکتے ہیں۔

چنانچہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ ت676ھ لکھتے ہیں:

سَوَاءٌ فِيْهِ الْحُرُّ وَالْعَبْدُ وَالْمَرْأَةُ وَالْاَعْمٰى وَالْاَخْرَسُ إِذَا كَتَبَ أَوْ فُهِمَتْ إِشَارَتُهٗ.

(مقدمۃ المجموع شرح المہذب: 1/ 469)

ترجمہ: فتویٰ دینے میں آزاد، غلام، عورت، نابینا، گونگا جب کہ وہ لکھ کر یا اشارے سے فتوی دے اور اس کا اشارہ سمجھ آسکتا ہو، سب برابر ہیں۔

شبہ نمبر1: اگر کوئی شخص مفتی نہ ہو تو کیا وہ کسی کافر کو کافر نہ کہے؟

جواب: جو مفتی نہ ہو وہ کفر کا فتویٰ خود نہ لگائے البتہ کسی مفتی کے فتویٰ کفر لگانے کے بعد وہ کسی کو کافر کہے۔

شبہ نمبر2: اگر کوئی شخص ضروریات دین مثلاً توحید، رسالت، قیامت کا انکار کرتا ہو تو کیا اس کو بھی عام شخص کافر نہ کہے اور اس کو کافر کہنے کے لیے مفتی کے فتویٰ کا انتظار کرے؟

جواب: یہ جو ہم نے کہا کہ کسی کے بارے میں فتویٰ کفر دینے کے لیے آدمی کا "مفتی" ہونا ضروری ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا کفر واضح نہ ہو اور اس کے کفر میں کوئی شبہ موجود ہو کہ ممکن ہے کہ اس میں ایمان کا کوئی احتمال موجود ہو تو ایسے شخص پر فتویٰ کفر صادر کرنے کے لیے ’’مفتی‘‘ ہونا ضروری ہے تا کہ وہ اس کی تحقیق و تفتیش کرے۔ باقی جو شخص ضروریات دین کا انکار کرتا ہو جیسے وجود باری تعالیٰ کا انکار، نبوت کا انکار یا قیامت کا انکار کرتا ہو تو اس کے کفر میں کوئی شبہ ہی نہیں، ایسے شخص کا کفر چونکہ بالکل واضح ہے اس لیے اسے کافر کہنے کے لیے کسی مفتی کے فتویٰ کی حاجت نہیں۔

(شبہات کے جوابات از متکلمِ اسلام)

معرفتِ عرف

کفر کا فتویٰ دینے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عرف، سوسائٹی اور معاشرہ کو جانتا ہو۔ بسا اوقات کوئی جملہ شریعت کی نظر میں بہت خطرناک ہوتا ہے لیکن عرف اور ماحول میں وہ لفظ کسی اور مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ عرف کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

فَكَثِيْرٌ مِنَ الْأَحْكَامِ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ لِتَغَيُّرِ عُرْفِ أَهْلِهٖ.

(مجموعہ رسائل ابنِ عابدین: ج2 ص125 رسالۃ نشر العُرف فی بناء بعض الاَحکام علی العُرف)

ترجمہ: بہت سے اَحکام زمانے کی تبدیلی کے باعث تبدیل ہو جاتے ہیں جس میں اس دور کے عرف کا تبدیل ہونا۔

مثال: غیر نبی بچے کو معصوم کہنا

ہمارا عقیدہ ہے کہ انسانوں میں انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔

امام اعظم امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ فرماتے ہیں:

وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنَزَّهُوْنَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَالْكُفْرِ وَالْقَبَائِحِ.

(الفقہ الاکبر: ص3)

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ، کبیرہ گناہوں اور کفر اور بے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

اگر کوئی انسانوں میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو معصوم مانے اور غیر نبی کو نبی کے برابر درجہ دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے لیکن ہمارے عرف میں چھوٹے بچوں کو معصوم کہہ دیا جاتا ہے۔ چونکہ کہنے والے اس کا معنی شرعی مراد نہیں لیتے بلکہ معنی عرفی (سادہ، بھولا بھالا، ناسمجھ) مراد لیتے ہیں اس لیے بچوں کو معصوم کہنے والے کافر نہیں ہوتے۔

فائدہ: نبی کو معصوم ماننے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی سے گناہ ہونے نہیں دیتے۔ جہاں تک ہمارے عرف میں چھوٹے بچے کو معصوم کہنے کا تعلق ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بچہ ہے، اگر یہ بچہ کوئی گناہ کر بھی لے تو نابالغ ہونے کی وجہ سے اس کے گناہوں کو لکھا نہیں جاتا۔

تکفیر کے اسباب

اختصار کے ساتھ چند ایسے اسباب ذکر کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے بندہ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

1:انکار

ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا صراحتاً انکار کرنا۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ لکھتے ہیں:

وَ رَدُّ النُّصُوْصِ بِاَنْ یُّنْکِرَ الْاَحْکَامَ الَّتِیْ دَلَّتْ عَلَیْهَا النُّصُوْصُ الْقَطْعِیَّةُ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ کَحَشْرِ الْاَجْسَادِ مَثَلًا کُفْرٌ.

(شرح العقائد النسفیۃ:ص388)

ترجمہ: نصوص کو اس طرح نظر انداز کرنا کہ جن احکام کے بارے نصوص قطعیہ موجود ہیں ان احکام کا انکار کر دیا جائے تو یہ کفر ہے جیسے قیامت کے دن جسموں کے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنا۔

2:استحلال

جن امور کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان کو حلال سمجھنا۔اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

[1]: حلال سمجھنے والے کو معلوم ہو کہ یہ چیز حرام ہے

[2]: اس چیز کی حرمت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ لکھتے ہیں:

وَالاِسْتِحْلَالُ کُفْرٌ لِمَا فِیْهِ مِنَ التَّکْذِیْبِ الْمُنَافِیْ لِلتَّصْدِیْقِ.

(شرح العقائد النسفیۃ:ص289)

ترجمہ: گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے کیونکہ یہ تصدیق کے منافی اور تکذیب کی نشانی ہے۔

3: استخفاف

کسی غیر معمولی چیز کو معمولی سمجھنا اور عظیم چیز کو حقیر سمجھنا۔

اس کی دو صورتیں ہیں:

[1]: جن چیزوں کو شریعتِ مطہرہ نے عزت و احترام بخشا ہے ان کی توہین و تذلیل کرنا۔

مثال: اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا، قرآن کریم کی توہین کرنا۔

[2]: شریعت کی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کو معمولی سمجھنا اور وعیدوں کو اہمیت نہ دینا۔

مثال: زنا کی حرمت کو ہلکا سمجھنا، سود کی حرمت کو معمولی سمجھنا۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ لکھتے ہیں:

اِذَا کَانَ بِطَرِیْقِ الاِسْتِحْلَالِ وَالاِسْتِخْفَافِ کَانَ کُفْرًا لِکَوْنِہٖ عَلَامَةً لِلتَّکْذِیْبِ.

(شرح العقائد النسفیہ: ص277)

ترجمہ: کسی حرام کو حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنا یا شریعت کی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کو معمولی سمجھنا (یعنی وعیدوں کو اہمیت نہ دینا) کفر ہے کیونکہ یہ تکذیب کی علامت ہے۔

4: استہزاء

شرعی احکام کا مذاق اڑانا۔

مثال: ڈاڑھی کا مذاق اڑانا۔

امام ابو بکر احمد بن علی الجصاص الرازی رحمہ اللہ ت370ھ لکھتے ہیں:

اِنَّ الاِسْتِھْزَاءِ بِآیَاتِ اللہِ وَبِشَیْئٍ مِنْ شَرَائِعِ دِیْنِہٖ کُفْرٌ.

(احکام القرآن للجصاص: تفسیر سورۃ التوبۃ آیت 65، 66)

ترجمہ: آیات اللہ کا اور دین کے امورِ شرعیہ (عقائد و احکام) میں سے کسی ایک امر کا استہزاء کفر ہے۔

فائدہ:

کسی سے دل لگی کرنے کے لئے تین لفظ استعمال ہوتے ہیں۔

(1)مزاح: ایسی دل لگی جس سے دوسرے کی تحقیر مقصود نہ ہو اور تحقیر محسوس بھی نہ ہو۔

حکم: یہ جائز بلکہ بسا اوقات مستحب ہے۔

مثال: امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "إِنِّي حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ." فَقَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ."

(شمائل الترمذی: بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِزَاحِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لیے جانور طلب کیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں اونٹنی کا بچہ دیں گے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضرت! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑا اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

(2)مذاق: ایسی دل لگی جس سے تحقیر مقصود نہ ہو البتہ تحقیر محسوس ہو۔

حکم: یہ مکروہ وناپسندیدہ ہے، اس سے اجتناب بہتر ہے۔

مثال: ایک شخص کا اپنے گہرے دوست کو ہنسی خوشی میں بھری محفل میں زدکوب کرنا، مارنا، گرانا وغیرہ۔

(3)استہزاء: ایسی دل لگی جس سے مقصود دوسرے کی تحقیر وتذلیل ہو۔

حکم: یہ ناجائز ہے۔

مثال: کسی اپاہج شخص کو لولھا لنگڑا کہنا یا ہاتھ پاؤں کے اشارے سے اس کی نقل اتارنا۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

5: تاویلِ باطل

کسی نص یا قطعی عقیدہ میں ایسی تاویل کرنا جو دیگر نصوص قطعیہ یا اجماعی عقیدہ کے خلاف ہو۔

شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین محدث دہلوی (ت 1176ھ) لکھتے ہیں:

وَتَأْوِيلٌ يُصَادِمُ مَا ثَبَتَ بِقَاطِعٍ فَذٰلِكَ الزَّنْدَقَةُ.

(المسوّیٰ شرح الموطا: ج2 ص130)

ترجمہ: ایسی تاویل جو کسی ایسے عقیدے یا مسئلے کے خلاف ہو جو دلیل قطعی سے ثابت ہے ایسی تاویل زندقہ و کفر ہے۔

مثال: مرزا غلام احمد قادیانی نے "خاتم النبیین" کا خود تراشیدہ معنی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اور اس کی امت کے لیے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہو گا اور بجز اس کے کوئی نبی صاحبِ خاتم نہیں۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے اور اس کی ہمت اور ہمدردی نے امت کو ناقص حالت پر چھوڑنا نہیں چاہا اور ان پر وحی کا دروازہ جو حصولِ معرفت کی اصل جڑ ہے بند رہنا گوارا نہیں کیا۔ ہاں اپنی ختمِ رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لیے یہ چاہا کہ فیضِ وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے ملے اور جو شخص امتی نہ ہو اس پر وحیِ الٰہی کا دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔ لہذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے اور نہ کامل ملہَم ہو سکتا ہے۔"

(روحانی خزائن: ج22 ص30)

تاویل

عقائد کے بارے میں تاویل کو کافی اہمیت حاصل ہے اس لئے اس بارے چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

تاویل کا لغوی معنیٰ:

سید علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمہ اللہ ت816ھ لکھتے ہیں:

اَلتَّأْوِيْلُ فِي الْأَصْلِ: اَلتَّرْجِيْعُ. (التعریفات: باب التاء)

ترجمہ: تاویل کا اصلی اور لغوی معنی ہے لوٹانا۔

تاویل کا اصطلاحی معنیٰ:

علامہ علی بن محمد الآمدی رحمہ اللہ ت631ھ لکھتے ہیں:

هُوَ حَمْلُ اللَّفْظِ عَلٰى غَيْرِ مَدْلُوْلِهِ الظَّاهِرِ مِنْهُ مَعَ احْتِمَالِهِ لَهٗ.

(الاِحکام فی اصول الاَحکام: ج3 ص59)

ترجمہ: تاویل کہتے ہیں لفظ کا ظاہری معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی مراد لینا بشرطیکہ لفظ اس معنی کا احتمال رکھتا ہو۔

تاویل کی قسمیں:

تاویل کی دو قسمیں ہیں:

1: التاویل الصحیح

2: التاویل الباطل

تفصیل یہ ہے:

[1]: التاویل الصحیح

کسی نص کا ایسا معنی مراد لینا جو دیگر نصوص اور اجماع امت کے خلاف بھی نہ ہو اور نص میں اس معنی کا احتمال بھی ہو یہ تاویل جائز و مقبول ہے۔

علامہ علی بن محمد الآمدی رحمہ اللہ ت 631ھ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا التَّأْوِيلُ الْمَقْبُولُ الصَّحِيحُ فَهُوَ حَمْلُ اللَّفْظِ عَلٰى غَيْرِ مَدْلُوْلِهِ الظَّاهِرِ مِنْهُ مَعَ احْتِمَالِهِ لَهٗ بِدَلِيْلٍ يَعْضُدُهٗ.

(الاِحکام فی اصول الاَحکام: ج3ص59)

ترجمہ: جائز اور مقبول تاویل وہ ہے جس میں لفظ کا ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرا ایسا معنی مراد لیا جائے جس معنی کا یہ لفظ احتمال بھی رکھتا ہو اور اس معنی کی تائید میں کوئی دلیل بھی موجود ہو۔

سید علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ جائز تاویل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صَرْفُ اللَّفْظِ عَنْ مَعْنَاهُ الظَّاهِرِ إِلٰى مَعْنًى يَحْتَمِلُهٗ إِذَا كَانَ الْمُحْتَمَلُ الَّذِيْ يَرَاهُ مُوَافِقًا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ.

(التعریفات: باب التاء)

ترجمہ: لفظ کا ظاہری معنی ومفہوم مراد لینے کی بجائے ایسا معنی مراد لینا جس کا یہ لفظ احتمال بھی رکھتا ہو اور دوسرا محتمل معنی قرآن وسنت کے موافق ہو۔

مثال:

سید علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ لکھتے ہیں:

مِثْلُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ إِنْ أَرَادَ بِهٖ إِخْرَاجَ الطَّيْرِ مِنَ الْبَيْضَةِ كَانَ تَفْسِيْرًا وَإِنْ أَرَادَ بِهٖ إِخْرَاجَ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْكَافِرِ أَوِ الْعَالِمِ مِنَ الْجَاهِلِ كَانَ تَأْوِيْلًا.

(التعریفات: باب التاء)

ترجمہ: جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ کہ اللہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے کا معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے تو یہ اس آیت کی تفسیر کہلائے گی اور اگر معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے یا عالم کو جاہل سے پیدا کرتا ہے تو یہ تاویل کہلائے گی۔

[2]: التاویل الباطل

نص کا ایسا معنی مراد لینا جو دیگر نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہو اور نص اس معنی کا احتمال بھی نہ رکھتی ہو یہ تاویل باطل اور ناجائز ہے۔

شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین محدث دہلوی (ت 1176ھ) لکھتے ہیں:

وَتَأْوِيْلٌ يُصَادِمُ مَا ثَبَتَ بِقَاطِعٍ فَذٰلِكَ الزَّنْدَقَةُ.

(المسوّیٰ شرح الموطا: ج2ص130)

ترجمہ: ایسی تاویل جو کسی ایسے عقیدے یا مسئلے کے خلاف ہو جو دلیل قطعی سے ثابت ہے ایسی تاویل زندقہ و کفر ہے۔

فائدہ:

دلائل قطعیہ تین ہیں:

1: قرآن کریم کی غیر مؤول آیات

2: احادیث متواترہ

3: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

مثال:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ت 1176ھ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَالَ: اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَلٰكِنْ مَعْنٰى هٰذَا الْكَلَامِ أَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ أَنْ يُّسَمّٰى بَعْدَهٗ أَحَدٌ بِالنَّبِيِّ.

(المسوّیٰ شرح المؤطا: ج2ص130)

ترجمہ: کوئی شخص یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا نام "نبی" نہیں رکھ سکتے (تو یہ شخص زندیق ہے)

فائدہ:

"تاویل باطل" کو تاویل کہنا ایسے ہی ہے جیسے من گھڑت بات کو "حدیث موضوع" کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ

موضوع بات "حدیث" نہیں ہوتی لیکن اس پر حدیث کا لفظ اس لیے بول دیا جاتا ہے کیونکہ اسے گھڑ کر پیش کرنے والا اسے "حدیث" کہہ کر پیش کرتا ہے تو "حدیث موضوع" کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے جو بات حدیث کے نام پر پیش کی ہے یہ بناوٹی اور گھڑی ہوئی بات ہے۔ بالکل اسی طرح کسی نص کا غلط مفہوم ومطلب بیان کرنے والا شخص اپنی اس توجیہہ کو "تاویل" کا نام دے کر پیش کرتا ہے اس لیے اس کا رد کرنے کے لیے "تاویل باطل" کا لفظ کہہ دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے جو توجیہہ "تاویل" کے نام پر پیش کی ہے یہ باطل اور غلط توجیہہ ہے۔

شرائط تاویل:

1: لغوی اور ظاہری معنی مراد لینا متعذر ہو:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّمَا يَجِبُ التَّأْوِيْلُ عِنْدَ تَعَذُّرِ الظَّاهِرِ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام: ج2ص213)

ترجمہ: ظاہری معنی لینا متعذر ہونے کی صورت میں نصوص کی تاویل کرنا واجب ہے۔

مثال:

قرآن کریم کی وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو مخلوق کے لئے بطور عضو استعمال ہوتے ہیں مثلاً ید، عین، ساق وغیرہ اب یہاں ان کا ظاہری معنی مراد لینا متعذر ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یا تو اسے متشابہ قرار دیں گے اور تاویل نہیں کریں گے۔ اور یا اس میں مناسب تاویل کرتے ہوئے ایسا معنی کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کے مخالف نہیں ہوگا۔

مثال:

☆ ﴿قَالَ يَاإِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (۷۵)﴾

(سورۃ ص:75)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے ید سے بنایا ہے اسے سجدہ کرنے سے تمہیں کس چیز نے

روکا تھا؟ کیا تونے تکبر کیا ہے یا تو ہے ہی بڑا؟

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے "ید" کا ظاہری معنی "ہاتھ" لینا متعذر ہے کیونکہ "ید" کا ظاہری معنی "ہاتھ" ایک عضو ہے اور عضو؛ جسم کا ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ اس لیے اس کا معنی "قدرت" کیا گیا ہے۔

☼ ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (۳۷)﴾

(سورۃ ھود:37)

ترجمہ: ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور ظالم لوگوں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو۔ یہ لوگ اب غرق ہی ہوں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے "عین" کا ظاہری معنی "آنکھ" لینا متعذر ہے کیونکہ "عین" کا ظاہری معنی "آنکھ" ایک عضو ہے اور عضو؛ جسم کا ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

اس لیے اس کا معنی "نگرانی" کیا گیا ہے۔

☼ ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (۴۲)﴾

(سورۃ القلم:42)

ترجمہ: جس دن ساق کو کھولا جائے گا اور ان لوگوں کو سجدے کے لیے بلایا جائے گا لیکن وہ سجدہ کر نہیں سکیں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے "ساق" کا ظاہری معنی "پنڈلی" لینا متعذر ہے کیونکہ "ساق" کا ظاہری معنی "پنڈلی" ایک عضو ہے اور عضو؛ جسم کا ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

اس لیے اس کا معنی "شدت" کیا گیا ہے۔

2: ظاہری معنی کے خلاف دلیل یقینی موجود ہو:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ فرماتے ہیں:

(وَالنُّصُوْصُ) مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (تُحْمَلُ عَلٰى ظَوَاهِرِهَا) مَالَمْ يَصْرِفْ عَنْهَا دَلِيْلٌ قَطْعِيٌّ كَمَا فِي الْاٰيَاتِ الَّتِيْ تُشْعِرُ بِظَوَاهِرِهَا بِالْجِهَةِ وَالْجِسْمِيَّةِ.

(شرح العقائد النسفیۃ: ص167)

ترجمہ: کتاب وسنت کے نصوص کا ظاہری معنی مراد لیا جائے گا جب تک کوئی ایسی دلیل قطعی موجود نہ ہو جو اس کے ظاہری معنی چھوڑنے کا سبب بنے جیسے وہ آیات جن سے بظاہر اللہ تعالیٰ کے لئے خاص جہت اور جسم ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ:

ظاہری معنی سے عدول کا سبب بننے والی دلیل تین قسم کی ہو سکتی ہے:

1: نص

2: اجماع

3: عقلی قطعی

چنانچہ مولانا عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ ت 1239ھ لکھتے ہیں:

(تُحْمَلُ عَلٰى ظَوَاهِرِهَا) اَیْ عَلَى الْمَعَانِي الظَّاهِرَةِ بِحَسْبِ الْوَضْعِ اللُّغْوِيِّ الشَّائِعِ فِي الْعَرَبِ و الْوَضْعِ الشَّرْعِيِّ الْمَشْهُوْرِ فِي اَهْلِ الْاِسْلَامِ (مَا لَمْ يُصْرِفْ عَنْهَا) اَیْ عَنِ الظَّوَاهِرِ (دَلِيْلٌ قَطْعِيٌّ) مِنْ بُرْهَانٍ عَقْلِيٍّ اَوْ اِجْمَاعٍ اَوْ نَصٍّ قَاطِعٍ.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص337)

ترجمہ: (قرآن وسنت کی) نصوص کا ظاہری معانی مراد لیا جائے گا اور ظاہری معنی سے مراد وہ معنی ہے جو لغت کے اعتبار سے عرب میں معروف ہے اور وہ معنی ہے جو اصطلاح شرعی کے اعتبار سے اہل اسلام میں مشہور ہے۔ ہاں جب ظاہری معنی کے خلاف دلیل قطعی یعنی عقلی قطعی دلیل یا اجماع یا نص موجود ہو تو ظاہری معنی کو ترک کر دیا جائے گا۔

اشکال:

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ "دلیل عقلی" بھی "دلائل قطعیہ" میں شامل ہے جبکہ آپ نے دلیل قطعی صرف ان تین دلیلوں کو شمار ہے:

1: قرآن کریم کی غیر مؤول آیات

2: احادیث متواترہ

3: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

آپ کی بات اور علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ کی بات میں تضاد ہے۔

جواب:

ہم نے ان تین دلیلوں کو "دلائل قطعیہ" اس معنی میں کہا ہے کہ اگر اسلام کا کوئی عقیدہ ان تین دلائل میں سے کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو اس کا ماننا لازم ہے اور اس کا انکار کفر ہے جبکہ کوئی عقیدہ اگر صرف "دلیل عقلی" سے ثابت ہو رہا ہو (جس کے مؤید دلائل نقلیہ نہ ہوں) تو اس کا انکار کفر نہیں ہے۔ اس لیے "دلیل عقلی" اس معنی میں (کہ اس سے ثابت شدہ عقیدہ کا انکار کفر ہو) دلائل قطعیہ میں شامل نہیں۔

اور علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ نے "دلیل عقلی" کو جو دلیل قطعی کہا ہے تو اس کی دو وجہیں ہیں:

1: یہ ایسی دلیل عقلی ہو گی جس کی مؤید دلیل نقلی بھی ہو گی۔

2: نص کے ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لیے چونکہ دلیلِ یقینی ضروری ہوتی ہے اور یہ "یقین" دلیل عقلی میں بھی پایا جاتا ہے اس لیے یہ اس معنی میں قطعی (یعنی یقینی) ہے۔

لہذا دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

نص کی مثال:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ﴾

(سورۃ البقرۃ:115)

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، تم جس طرف رخ کرو ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے "وجہ" کا لفظ استعمال ہوا جس کا ظاہری اور اصلی معنی چہرہ ہے لیکن یہ معنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مراد لینا درست نہیں اس لئے کہ یہ معنی نصوص کے خلاف ہے۔

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴾ (۲)

(سورۃ اخلاص:2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ ت 710ھ فرماتے ہیں:

[اَلَّذِیْ]لَا یَحْتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ وَیَحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ.

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: "صمد" اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔

اس لئے اس آیت کا ظاہری معنی مراد لینے کی بجائے اس میں مناسب تاویل کریں گے کہ یہاں "وجہ" کا معنی چہرہ نہیں بلکہ "ذات" ہے۔

اجماع کی مثال:

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

(سورۃ البقرۃ: آیت 28)

ترجمہ: تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اللہ نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا پھر حیات دے گا پھر تم اللہ کی طرف لوٹائے جاوگے۔

اس آیت سے بظاہر دو موتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک موت دنیا میں آنے سے پہلے اور دوسری دنیوی زندگی مکمل ہونے کے بعد اور اس آیت سے بظاہر دو حیاتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک دنیا والی اور دوسری آخرت والی۔ بظاہر اس آیت میں قبر کی حیات کی نفی ہوتی ہے اس لئے کہ اگر قبر کی زندگی مانی جائے تو زندگیاں تین بن جاتی ہیں۔

لیکن یہ معنی وہ ہے اجماع امت کے خلاف ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التفتازانی (ت 791ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ يُعِيْدُ اِلَى الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ نَوْعَ حَيٰوةٍ قَدْرَمَا يَتَأَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ وَيَشْهَدُ بِذٰلِكَ الْكِتَابُ وَالْأَخْبَارُ وَالْاٰثَارُ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج2 ص222)

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے جس سے وہ ثواب وعذاب کو محسوس کرتی ہے، اس عقیدہ پہ قرآنی آیات اور احادیث وآثار موجود ہیں۔

سلطان المحدثین نور الدین علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری ت 1014ھ فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ ! اَنَّ اَهْلَ الْحَقِّ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّ اللهَ يَخْلُقُ فِي الْمَيِّتِ نَوْعَ حَيٰوةٍ فِي الْقَبْرِ قَدْرَ مَا يَتَاَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ.

(شرح الفقہ الاکبر: ص121)

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے والے کو اتنی حیات عطا فرماتی ہے کہ اگر نیک ہو تو ثواب اور اگر بدکار ہو تو عذاب کو محسوس کرتا ہے۔

اس لئے اس آیت میں مناسب تاویل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں:

اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے ایسی زندگی جس میں حیات کے آثار نظر آئیں اور وہ حیات کامل اور مستقل ہو وہ دو ہیں ایک دنیا کی دوسری آخرت کی۔ رہی قبر کی زندگی تو یہ آخرت کی زندگی کا مقدمہ ہے اور یہ ایسی مخفی حیات ہے جو کامل نہیں بلکہ نوع من الحیاۃ ہے جس میں میت یا اجزاء میت سے روح کا صرف اتنا تعلق رہتا ہے جس سے میت ثواب یا عذاب کو محسوس کرتی ہے۔ قبر کی زندگی کوئی مستقل زندگی نہیں جس طرح ماں کے پیٹ میں ملنے والی زندگی مستقل نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کا مقدمہ ہے۔ ان آیات میں کلی اور ظاہری حیاتوں کا تذکرہ ہے۔

دلیل عقلی کی مثال:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾

(سورۃ طٰہٰ:5)

ترجمہ: رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔

اس آیت سے بظاہر اللہ پاک کا حقیقتاً عرش پر ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ معنی مراد لینا مشکل ہے اس لئے کہ اس کے خلاف قطعی عقلی دلیل موجود ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالی جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

اس لئے اس میں مناسب تاویل کریں گے چنانچہ ہم کہتے ہیں یہاں استواء علی العرش سے مراد "اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔"

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ ت 256ھ فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿اسْتَوٰى﴾ عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

(صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: استواء علی العرش کا معنی اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ کو ذات کے اعتبار سے صرف عرش پر ماننا ایسی دلیل عقلی کے خلاف ہے جس کی مؤید دلیل نقلی بھی موجود ہے۔ جیسے:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ﴾

(سورۃ البقرۃ:115)

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔

3: لفظ میں تاویل کا احتمال ہو:

حقیقی معنی کے ساتھ ساتھ دوسرا معنی اس وقت مراد لیا جاسکتا ہے جب لفظ اس معنی کا احتمال بھی رکھتا ہو۔

علامہ علی بن محمد الآمدی رحمہ اللہ ت 631ھ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا التَّأْوِيْلُ الْمَقْبُوْلُ الصَّحِيْحُ فَهُوَ حَمْلُ اللَّفْظِ عَلٰى غَيْرِ مَدْلُوْلِهِ الظَّاهِرِ مِنْهُ مَعَ احْتِمَالِهِ لَهٗ بِدَلِيْلٍ يَعْضُدُهٗ.

(الاِحکام فی اصول الاَحکام: ج3ص59)

ترجمہ: جائز اور مقبول تاویل وہ ہے جس میں لفظ کا ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرا ایسا معنی مراد لیا جائے جس معنی کا یہ لفظ احتمال بھی رکھتا ہو اور اس معنی کی تائید میں کوئی دلیل بھی موجود ہو۔

مثال:

سید علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمہ اللہ ت816ھ لکھتے ہیں:

مِثْلُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ إِنْ أَرَادَ بِهٖ إِخْرَاجَ الطَّيْرِ مِنَ الْبَيْضَةِ كَانَ تَفْسِيْرًا وَإِنْ أَرَادَ بِهٖ إِخْرَاجَ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْكَافِرِ أَوِ الْعَالِمِ مِنَ الْجَاهِلِ كَانَ تَأْوِيْلًا.

(التعریفات: باب التاء)

ترجمہ: جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ کہ اللہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے کا معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے تو یہ اس آیت کی "تفسیر" کہلائے گی اور اگر معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے یا عالم کو جاہل سے پیدا کرتا ہے تو یہ "تاویل" کہلائے گی۔

فائدہ:

اس مثال میں زندہ سے مؤمن اور مردہ سے کافر مراد لینے پر دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ﴾

(سورۃ فاطر: 22)

ترجمہ: زندہ لوگ اور مردہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔

اس آیت میں مسلمان کو "زندہ" کہا گیا ہے اور کافر کو "مردہ"۔

چنانچہ امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت606ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ﴾ مَثَلًا آخَرَ فِيْ حَقِّ الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج26 ص15 تحت قولہ تعالیٰ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں مومن اور کافر کی ایک دوسری مثال دی ہے۔

اسی طرح زندہ سے عالم اور مردہ سے جاہل مراد لینے پر دلیل یہ حدیث مبارک ہے:

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ."

(صحیح البخاری: کتاب الدعوات بَاب فَضْلِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے زندہ جیسی ہے اور اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا مردہ جیسی ہے۔

اس حدیث میں ذکر کرنے والے کو "زندہ" اور ذکر نہ کرنے والے کو "مردہ" کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اہلِ علم کو اہلِ ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (٤٣)﴾

(سورۃ النحل:43)

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر (یعنی اہلِ علم) سے پوچھ لو۔

اس لیے حدیث مذکور میں ذکر کرنے والے سے "عالم" مراد لینا اور اس کے تقابل میں ذکر نہ کرنے والے سے "جاہل" مراد لینا درست ہے۔

4: مؤوِّل اہل ہو:

یعنی تاویل کرنے والا قرآن کریم، حدیث مبارک اور عربی لغت، زبان کے محاورات سے واقف ہو۔

علامہ علی بن محمد الآمدی رحمہ اللہ ت 631ھ لکھتے ہیں:

وَشُرُوْطُهٗ أَنْ يَّكُوْنَ النَّاظِرُ الْمُتَأَوِّلُ أَهْلًا لِذٰلِكَ.

(الاِحکام فی اصول الاَحکام: ج3 ص60)

ترجمہ: تاویل کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ ہے کتاب وسنت کو دیکھنے والا اور تاویل کرنے والا تاویل کا اہل ہو۔

فائدہ: مؤول کے اہل ہونے کا معنی یہ ہے کہ تفسیر کے لیے جن پندرہ علوم کی ضرورت ہے یہ شخص ان علوم کا حامل ہو۔ وہ پندرہ علوم یہ ہیں:

[1]:لغت	[2]:نحو	[3]:صرف	[4]:اشتقاق
[5]:معانی	[6]:بیان	[7]:بدیع	[8]:قرأت
[9]:عقائد	[10]:اصولِ فقہ	[11]:اسبابِ نزول	[12]:ناسخ ومنسوخ
[13]:فقہ	[14]:احادیث	[15]:علمِ لدنی	

ان علوم کی تفصیل بندہ کی مرتب کردہ فائل "اصولِ تفسیر" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

5: تاویل ضروریاتِ دین میں نہ ہو:

دین کے وہ بنیادی عقائد واحکام جو ہر کسی کو معلوم ہوں اور ان کا معنی ومفہوم متواتر ہو تو اس میں تاویل کرنا درست نہیں۔

خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (ت1352ھ) فرماتے ہیں:

اِنَّ التَّصَرُّفَ فِیْ ضَرُوْرِیَّاتِ الدِّیْنِ وَالتَّأْوِیْلَ فِیْهَا وَتَحوِیْلَهَا اِلٰی غَیْرِ مَاکَانَتْ عَلَیْهِ وَاِخْرَاجَهَا عَنْ صُوْرَةِ مَاتَوَاتَرَتْ عَلَیْهِ کُفْرٌ.

(اکفار الملحدین: ص73)

ترجمہ: ضروریاتِ دین میں بے جا تصرف کرنا، ان کی تاویل کرنا، ان (کا غلط معنی بیان کرکے اس) کی صورت بگاڑنا اور ان کا جو مطلب امت تواتر سے سمجھتی چلی آرہی ہو، اسے ختم کرنا کفر ہے۔

مثال:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے اب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مان کر اس میں ظلی، بروزی، تشریعی وغیر تشریعی کی تاویل کرکے کسی قسم کی نئی نبوت کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔

عدمِ تکفیر کے اسباب

جس شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا جارہا ہے ضروری ہے کہ اس کی بات یا عمل میں موانع کفر موجود نہ ہوں۔ اگر اس شخص میں موانع کفر موجود ہوں تو ایسے شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

یہاں موانعِ تکفیر ذکر کیے جاتے ہیں:

1: احتمال

اگر کوئی مومن ایسا جملہ یا کلمہ کہدے جس میں کئی احتمالات ہوں، ان میں اکثر احتمالات کفریہ اور کوئی ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہوئے اس کے قول میں تاویل کر کے اسے کفر سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (ت 970ھ) فرماتے ہیں:

"وَفِيْ الْخُلَاصَةِ وَغَيْرِهَا إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ وُجُوْهٌ تُوْجِبُ التَّكْفِيْرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَمْنَعُ التَّكْفِيْرَ فَعَلَى الْمُفْتِيْ أَنْ يَّمِيْلَ إِلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ يَمْنَعُ التَّكْفِيْرَ تَحْسِيْناً لِلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ زَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ إِلَّا إِذَا صَرَّحَ بِإِرَادَةِ مُوْجِبِ الْكُفْرِ فَلَا يَنْفَعُهُ التَّأْوِيْلُ حِيْنَئِذٍ"

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق: باب احکام المرتدین)

ترجمہ: خلاصۃ الفتاویٰ اور دیگر کتب میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کئی احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو مفتی کو چاہیے ایمان والے احتمال کو لے (کفر کا فتویٰ نہ دے) اس لئے کہ مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے۔ بزازیہ میں یہ اضافہ ہے کہ اگر قائل خود ہی کفر والے احتمال کو متعین کر دے تو پھر کسی کی تاویل اسے کفر سے نہیں بچا سکتی۔

مثال:

امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی شافعی ت 942ھ امام اعظم ابو حنیفہ ت 150ھ کے بارے لکھتے ہیں:

اِنَّ رَجُلًا قَصَدَ أَبَا حَنِيْفَةَ فَقَالَ:

ایک شخص جو امام صاحب سے بغض رکھتا تھا، آپ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ

مَا تَقُوْلُ فِي رَجُلٍ لَا يَرْجُو الْجَنَّةَ، وَلَا يَخَافُ مِنَ النَّارِ، وَلَا يَخَافُ اللهَ تَعَالىٰ، وَيَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَيُصَلِّيْ بِلَا رُكُوْعٍ وَلَا سُجُوْدٍ، وَيُشْهِدُ بِمَا لَا يَرىٰ، وَيُبْغِضُ الْحَقَّ، وَيُحِبُّ الْفِتْنَةَ، وَيَفِرُّ مِنَ الرَّحْمَةِ، وَيُصَدِّقُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ؟

سائل: ایک شخص خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے مگر نہ تو جنت کی خواہش رکھتا ہے اور نہ ہی جہنم سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، مردہ کھاتا ہے، بغیر رکوع اور سجدے کے نماز پڑھتا ہے، اس چیز کی گواہی دیتا ہے جسے اس نے دیکھا بھی نہیں، حق بات کو پسند نہیں کرتا، فتنہ سے محبت کرتا ہے، اللہ کی رحمت سے دور بھاگتا ہے اور یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ تو ایسے آدمی کے بارے میں آپ کی کیارائے ہے؟

فَقَالَ لَهٗ أَبُوْ حَنِيْفَةَ وَكَانَ يَعْرِفُهٗ شَدِيْدَ الْبُغْضِ لَهٗ يَا فُلَانُ! سَأَلْتَنِيْ عَنْ هٰذِهٖ، وَلَكَ بِهَا عِلْمٌ؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو علم تھا کہ یہ شخص ان سے بہت زیادہ بغض رکھتا ہے۔ تو آپ نے اس آدمی سے کہا:

امام ابو حنیفہ: اے فلاں آدمی! تو نے مجھ سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا ہے حالانکہ تو ان باتوں کا مطلب جانتا ہے۔

فَقَالَ الرَّجُلُ: لَا وَلٰكِنْ لَمْ أَجِدْ شَيْئًا هُوَ أَشْنَعُ مِنْ هٰذَا فَسَأَلْتُكَ عَنْهُ.

سائل: نہیں! مجھے اس کا علم نہیں ہے، میرے خیال میں تو اس سے زیادہ برا کوئی شخص نہیں ہوگا۔ تو میں مزید تسلی کے لئے آپ سے سوال کر رہا ہوں۔

فَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ لِأَصْحَابِهٖ: مَا تَقُوْلُوْنَ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا،

امام ابو حنیفہ: اس شخص کے بارے تمہاری کیارائے ہے؟

قَالُوْا: شَرُّ رَجُلٍ، هٰذِهٖ صِفَاتُ كَافِرٍ.

شاگردانِ ابی حنیفہ: جس شخص میں یہ باتیں موجود ہوں وہ تو بہت ہی برا انسان ہے، یہ تو کافر کی صفات ہیں۔

فَتَبَسَّمَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ لِأَصْحَابِهٖ: هُوَ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ تَعَالىٰ حَقًّا.

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مسکرائے اور اپنے شاگردوں سے فرمایا: یہ شخص اللہ کا ولی ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِلرَّجُلِ: إِنْ أَنَا أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ حَقًّا تَكُفُّ عَنِّيْ شَرَّ لِسَانِكَ، وَلَا تُمْلِيْ عَلَى الْحَفَظَةِ مَا يَضُرُّكَ؟

پھر امام صاحب نے اس سائل کو کہا:

امام ابو حنیفہ: اگر میں تیرے سامنے یہ بات ثابت کر دوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے تو کیا تم اپنی زبان کو مجھے تکلیف پہنچانے سے روک لوگے اور تم اپنا نامہ اعمال ان چیزں سے نہیں بھروگے جو تجھے نقصان پہنچاتی ہیں؟

قَالَ: نَعَمْ!

سائل: جی بالکل۔

فَقَالَ: أَمَّا قَوْلُكَ "إِنَّهُ لَا يَرْجُو الْجَنَّةَ، وَلَا يَخَافُ مِنَ النَّارِ" فَإِنَّهُ يَرْجُوْ رَبَّ الْجَنَّةِ وَيَخَافُ رَبَّ النَّارِ،

تمہارا یہ کہنا کہ "وہ شخص جنت کی خواہش نہیں رکھتا اور جہنم سے نہیں ڈرتا" اس کا مطلب ہے کہ یہ شخص جنت کے بجائے جنت کے مالک کو چاہتا ہے اور جہنم سے ڈرنے کے بجائے جہنم کے مالک سے ڈرتا ہے۔

وَقَوْلُكَ "لَا يَخَافُ اللهَ" فَإِنَّهُ لَا يَخَافُ اللهَ تَعَالٰى اَنْ يَجُوْرَ عَلَيْهِ ... قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾،

تمہارا یہ کہنا کہ "وہ شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا" تو اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے اس بات کا خوف نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ظلم کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾ کہ تیرا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

وَقَوْلُكَ: "يَأْكُلُ الْمَيْتَةَ" فَهُوَ اَكْلُ السَّمَكِ،

تمہارا یہ کہنا کہ "وہ شخص مردار کھاتا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مچھلی کھاتا ہے جسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَقُوْلُكَ: "يُصَلِّيْ بِلَا رُكُوْعٍ وَلَا سُجُوْدٍ" اَرَادَ صَلٰوةَ الْجَنَازَةِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَرَادَ الصَّلٰوةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تمہارا یہ کہنا کہ "وہ شخص بغیر رکوع اور سجدہ کے نماز پڑھتا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنازہ کی نماز پڑھتا ہے جس میں رکوع اور سجدہ نہیں ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔

وَقُوْلُكَ: "يُشْهِدُ بِمَا لَمْ يَرَهُ" فَهُوَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

تمہارا یہ کہنا کہ "وہ شخص بغیر دیکھے گواہی دیتا ہے" تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

وَقُوْلُكَ: "يُبْغِضُ الْحَقَّ" فَهُوَ يُحِبُّ الْبَقَاءَ حَتّٰى يُطِيْعَ اللّٰهَ تَعَالٰى يُبْغِضُ الْمَوْتَ وَهُوَ الْحَقُّ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾

تمہارا یہ کہنا کہ "وہ شخص حق کو مبغوض رکھتا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص زندگی کو پسند کرتا ہے تاکہ اللہ کی عبادت زیادہ سے زیادہ کر سکے اور موت کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ موت برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ کہ موت کی سختی تو ضرور آکر رہے گی۔

وَقُوْلُكَ: "يُحِبُّ الْفِتْنَةَ" أَرَادَ أَنَّهٗ يُحِبُّ الْمَالَ وَالْوَلَدَ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾

تمہارا یہ کہنا کہ "وہ شخص فتنہ کو پسند کرتا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال اور اولاد سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے فتنہ (آزمائش) ہے۔

وَقُوْلُكَ: "يَفِرُّ مِنَ الرَّحْمَةِ" أَرَادَ أَنْ يَفِرَّ مِنَ الْمَطَرِ.

تمہارا یہ کہنا کہ "وہ شخص رحمت سے بھاگتا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بارش سے بھاگتا ہے کیونکہ بارش اللہ کی رحمت ہے۔

وَقَوْلُكَ: "يُصَدِّقُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَىٰ" أَرَادَ قَوْلَهٗ تَعَالٰى : ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ﴾

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے “تو اس کا مطلب ہے کہ وہ یہود کے اس قول ”لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ “ اور نصاریٰ کے اس قول ”لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ “کی تصدیق کرتا ہے جو کہ عین ایمان ہے۔

فَقَامَ الرَّجُلُ وَقَبَّلَ رَأْسَهٗ وَقَالَ: اَشْهَدُ اَنَّكَ عَلَى الْحَقِّ.

یہ سن کر وہ آدمی کھڑا ہوا اور امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے حق فرمایا۔

(عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص246)

ایک شبہ کا ازالہ:

اس طرح کی عبارات سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر ہوں اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو بھی اس کو مسلمان سمجھا جائے گا حالانکہ اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی شخص میں ننانوے وجوہ ایمان کی ہوں اور ایک ایسا جملہ ہو جس میں ننانوے احتمال کفر کے ایک ایمان کا ہو تو اسے کافر نہ کہا جائے بلکہ ایمان والے احتمال کو ترجیح دی جائے گی۔

امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم المصری الحنفی (ت970ھ) فرماتے ہیں:

"وَفِي الْخُلَاصَةِ وَغَيْرِهَا إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ وُجُوهٌ تُوجِبُ التَّكْفِيرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَمْنَعُ التَّكْفِيرَ فَعَلَى الْمُفْتِي أَنْ يَمِيلَ إِلَى الْوَجْهِ الَّذِي يَمْنَعُ التَّكْفِيرَ تَحْسِينًا لِلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ . زَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ: إِلَّا إِذَا صَرَّحَ بِإِرَادَةِ مُوجِبِ الْكُفْرِ فَلَا يَنْفَعُهُ التَّأْوِيلُ حِينَئِذٍ.

(البحر الرائق لابن نجیم: باب احکام المرتدین)

ترجمہ: خلاصۃ الفتاویٰ اور دیگر کتب میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کئی احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو مفتی کو چاہئے ایمان والے احتمال کو لے (کفر کا فتویٰ نہ دے) اس لئے کہ مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا

چاہیے۔ بزازیہ میں یہ اضافہ ہے کہ اگر قائل خود ہی کفر والے احتمال کو متعین کر دے تو پھر کسی کی تاویل اسے کفر سے نہیں بچا سکتی۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) "امداد الفتاویٰ" میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ سوال وجواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں:

سوال498: مشہور ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی تو اس پر کفر کا فتویٰ دینا نہ چاہئے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے کلمات کو کفر کیلئے وضع کیا ہے تو پھر کلمات کفر کو کفر کیلئے وضع کرنے سے کیا فائدہ؟ اگر محض زجر مقصود ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ فی زمانا بڑے بڑے عالم بعض لوگوں کو ذرا ذرا سی بات پر بلکہ حقیقت میں کلماتِ کفر کے ارتکاب پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، اس فتویٰ کو کس پر محمول کرنا چاہئے؟

جواب: اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ننانوے باتیں کفر کی موجب پائی جاویں تب بھی فتویٰ نہ دیں گے، ننانوے تو بہت ہوتی ہیں اگر ایک امر بھی موجب کفر یقینی پایا جائے تب بھی فتویٰ دیدیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خود اس امر میں بہت سے احتمال ہیں بعض احتمالات پر تو وہ موجب کفر ہے اور وہ احتمالات ننانوے ہیں، اور بعض احتمال پر وہ موجب کفر نہیں اور وہ ایک ہے تو اس صورت میں اس امر کو محمول اسی احتمال پر کریں گے جو موجبِ کفر نہیں اور تکفیر سے احتیاط کریں گے۔

(امداد الفتاویٰ: ج4 ص393)

2: سبقت لسانی

اگر کسی انسان کی زبان اس کے قابو میں نہ ہو اور غیر اختیاری طور پر اس کی زبان سے کفریہ کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہو گا۔

امام فخر الدین حسن بن منصور المعروف قاضی خان رحمہ اللہ ت 592ھ لکھتے ہیں:

وَاَمَّا الْخَاطِئُ إِذَا جَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً بِأَنْ كَانَ اَرَادَ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِمَا لَيْسَ بِكُفْرٍ فَجَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ كُفْرًا عِنْدَ الْكُلِّ.

(فتاویٰ قاضی خان: ج4 ص469 مکتبہ حقانیہ پشاور)

ترجمہ: اگر کسی شخص کی زبان سے غلطی سے کفریہ کلمہ نکل جائے کہ وہ ایسی بات کہنا چاہتا ہے جو کفریہ نہیں لیکن غلطی سے اس کی زبان سے کفریہ کلمہ نکل جاتا ہے تو بالاتفاق وہ کافر نہیں ہو گا۔

مثال:

امام ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَلهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوبَةِ عَبْدِهٖ حِينَ يَتُوْبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِأَرْضِ فَلَاةٍ. فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فأَيِسَ مِنْهَا. فَأَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا وَقَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ. فَبَينَما هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ هُوَ بِها قَائِمَةٌ عِنْدَهٗ. فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ عَبْدِيْ وَأَنَا رَبُّكَ! أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ.

(صحیح مسلم: باب في الحض على التوبة والفرح بها)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں جو ایک غیر آباد صحرا میں اپنی سواری پر سفر کر رہا ہو اس کا کھانا، پینا۔ سازوسامان اسی وساری پر ہو اور وہ سواری گم ہو جائے۔ وہ انسان اس کی واپسی سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں لیٹ جائے۔ وہ اسی مایوسی کے عالم میں اچانک دیکھتا ہے کہ وہ اونٹنی اس کے پاس کھڑی ہے، وہ اسے نکیل کی رسی سے پکڑ کر بے حد خوشی میں کہتا ہے اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ وہ بندہ خوشی کی شدت کی وجہ سے غلطی کر گیا۔

3: اکراہ

اگر کسی بندے کو کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا جائے کہ فلاں کلمہ کہو وگرنہ جان سے مار دیں گے یا تمہارا کوئی عضو کاٹ دیں گے اور وہ کفریہ کلمہ کہدے تو کافر نہیں ہو گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى الْكُفْرِ بِاللهِ تَعَالٰى أَوْ سَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلٍ أَوْ قَطْعٍ رُخِّصَ لَهٗ إِظْهَارُ كَلِمَةِ الْكُفْرِ وَالسَّبِّ فَإِنْ أَظْهَرَ ذٰلِكَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ فَلَا يَأْثَمُ وَإِنْ صَبَرَ حَتّٰى قُتِلَ كَانَ مُثَابًا.

(فتاویٰ عالمگیری: ج5 ص38 کتاب الاکراہ الباب الثانی)

ترجمہ: اگر کسی بندے کو قتل کی یا کسی عضو کے کاٹنے کی دھمکی دے کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے انکار یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لئے کفریہ کلمہ کہنے کی اجازت ہے چنانچہ اگر اس نے زبان سے کفریہ کلمہ کہدیا مگر دل میں تصدیق موجود ہے تو گناہ گار و کافر نہ ہوگا اور اگر اس شخص نے کفریہ کلمہ کہنے سے انکار کر دیا اور قتل ہو گیا تو اس پر اسے اجر ملے گا۔ (رخصت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہو گا بلکہ ماجور ہو گا)

مثال:

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَخَذَ الْمُشْرِكُونَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ فَلَمْ يَتْرُكُوهُ حَتّٰى سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ آلِهَتَهُمْ بِخَيْرٍ ثُمَّ تَرَكُوهُ فَلَمَّا أَتٰى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا وَرَاءَكَ؟" قَالَ: شَرٌّ يَا رَسُولَ اللهِ! مَا تُرِكْتُ حَتّٰى نِلْتُ مِنْكَ وَذَكَرْتُ آلِهَتَهُمْ بِخَيْرٍ. قَالَ: "كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟" قَالَ: مُطْمَئِنًا بِالْإِيْمَانِ. قَالَ: "إِنْ عَادُوا فَعُدْ."

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج8 ص208 باب الْمُكْرَهِ عَلَى الرِّدَّةِ)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑنے کا وعدہ کیا کہ عمار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا کلمات کہے اور مشرکین کے معبودوں کی تعریف کرے آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا جس پر مشرکین نے ان کو چھوڑ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ہوا؟ حضرت عمار نے عرض کیا یا رسول اللہ بہت برا واقعہ پیش آیا مشرکین مجھے نہیں چھوڑ رہے تھے یہاں تک کہ میں آپ کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ کہتا اور ان کے معبودوں کا اچھے الفاظ سے ذکر کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس وقت تمہارے دل کی کیا کیفیت تھی؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا دل ایمان پر مطمئن تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ آئندہ بھی اس طرح کا مطالبہ کریں تو تم بھی اس طرح کے جملے کہدینا۔

4: دینی ضرورت

إِذَا نَطَقَ الْإِنْسَانُ كَلِمَةَ الْكُفْرِ لِحَاجَةٍ دِينِيَّةٍ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّهُ لَا يُكْفَرُ.

اگر کسی شخص کے دل میں ایمان موجود ہو اور وہ کسی دینی ضرورت کی وجہ سے زبان سے کفریہ کلمہ کہہ دے تو وہ کافر نہیں ہو گا۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

مثال:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللهَ وَرَسُولَهُ." فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ: "نَعَمْ!" قَالَ: فَأْذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا. قَالَ: "قُلْ." فَأَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ قَدْ سَأَلَنَا صَدَقَةً وَإِنَّهُ قَدْ عَنَّانَا وَإِنِّي قَدْ أَتَيْتُكَ أَسْتَسْلِفُكَ. قَالَ: وَأَيْضًا وَاللهِ لَتَمَلُّنَّهُ. قَالَ: إِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَدَعَهُ حَتّٰى نَنْظُرَ إِلٰى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيرُ شَأْنُهُ وَقَدْ أَرَدْنَا أَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ ..... قَالَ: ارْهَنُونِي نِسَاءَكُمْ! قَالُوا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاءَنَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ. قَالَ: فَارْهَنُونِي أَبْنَاءَكُمْ. قَالُوْا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ أَبْنَاءَنَا فَيُسَبُّ أَحَدُهُمْ فَيُقَالُ رُهِنَ بِوَسْقٍ أَوْ وَسْقَيْنِ، هٰذَا عَارٌ عَلَيْنَا وَلٰكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّأْمَةَ. قَالَ سُفْيَانُ: يَعْنِي السِّلَاحَ. فَوَاعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ فَجَاءَهُ لَيْلًا وَمَعَهُ أَبُو نَائِلَةَ وَهُوَ أَخُو كَعْبٍ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَدَعَاهُمْ إِلَى الْحِصْنِ فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ فَقَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: أَيْنَ تَخْرُجُ هٰذِهِ السَّاعَةَ؟ فَقَالَ: إِنَّمَا هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ وَأَخِي أَبُو نَائِلَةَ وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو قَالَتْ: أَسْمَعُ صَوْتًا كَأَنَّهُ يَقْطُرُ مِنْهُ الدَّمُ. قَالَ: إِنَّمَا هُوَ أَخِي مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ وَرَضِيعِي أَبُو نَائِلَةَ، إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلٰى طَعْنَةٍ بِلَيْلٍ لَأَجَابَ. قَالَ: وَيُدْخِلُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ مَعَهُ رَجُلَيْنِ ..... فَقَالَ: إِذَا مَا جَاءَ فَإِنِّي قَائِلٌ بِشَعَرِهِ فَأَشَمُّهُ فَإِذَا رَأَيْتُمُونِي اسْتَمْكَنْتُ مِنْ رَأْسِهِ فَدُونَكُمْ فَاضْرِبُوهُ وَقَالَ مَرَّةً ثُمَّ أُشِمُّكُمْ فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ مُتَوَشِّحًا وَهُوَ يَنْفَحُ مِنْهُ رِيحُ الطِّيبِ فَقَالَ: مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ رِيحًا أَيْ أَطْيَبَ وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو قَالَ: عِنْدِي أَعْطَرُ نِسَاءِ الْعَرَبِ وَأَكْمَلُ الْعَرَبِ. قَالَ عَمْرٌو فَقَالَ: أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَشُمَّ

رَأْسَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَشَمَّهُ ثُمَّ أَشَمَّ أَصْحَابَهُ، ثُمَّ قَالَ: أَتَأْذَنُ لِي؟ قَالَ: نَعَمْ. فَلَمَّا اسْتَمْكَنَ مِنْهُ قَالَ: دُونَكُمْ! فَقَتَلُوهُ ثُمَّ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوهُ.

(صحیح البخاری: ج2 ص576 کتاب المغازی بَابُ قَتْلِ كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کعب بن اشرف اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف دے رہا ہے، اس بدبخت کا کام کون تمام کرے گا؟ اس پر محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ اسے قتل کرانا چاہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! حضرت محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: پھر آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کہوں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ اب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا: یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں تھکا دیا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب نے کہا: ابھی تم آگے دیکھنا، بخدا تم بالکل اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: چونکہ ہم نے ان کا کلمہ پڑھ لیا اس لیے جب تک ان کا واضح انجام سامنے نہ آ جائے انہیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں، فی الحال میں تم سے ایک وسق یا دو وسق غلہ قرض لینے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا: میرے پاس کچھ گروی رکھ دو پھر قرض لے جاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے پوچھا: کیا چیز گروی رکھیں؟ کعب نے کہا: اپنی عورتوں کو رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم عرب کے بہت خوبصورت مرد ہو، ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں! اس نے کہا: تو پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کل ہمارے بچوں کو عار دلائی جائے گی کہ ایک یا دو وسق غلے پر انہیں رہن رکھ دیا گیا تھا (ایک وسق کی مقدار 191 کلو گرام اور 4 گرام بنتی ہے)، یہ تو غیرت کے خلاف بات ہے، ہاں البتہ ہم تمہارے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا اور رات کے وقت اس کے یہاں آئے۔ ان کے ساتھ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی ابو نائلہ بھی موجود تھے۔ قلعہ کے پاس جا کر انہوں نے کعب کو آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا کہ اتنی رات گئے کہاں باہر جا رہے ہو؟ اس نے کہا: وہ تو محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابو نائلہ ہے۔ بعض راویوں کے بیان کے مطابق کعب کی بیوی

نے اس سے کہا تھا کہ مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔ کعب نے جواب دیا کہ میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں، شریف آدمی کو اگر رات میں بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ مزید دو ساتھیوں کو بھی اندر لاتے ہیں جنہیں انہوں نے معاملہ سمجھا دیا تھا کہ جب کعب آئے تو میں اس کے سر کے بال پکڑوں گا (اور انہیں سونگھوں گا)۔ جب تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا۔ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں اس کی خوشبو سونگھاؤں گا۔ چنانچہ کعب بن اشرف چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کے جسم سے بہت زیادہ خوشبو آ رہی تھی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے اچھی خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی۔ عمرو کے علاوہ دوسرے راوی کا بیان ہے کہ اس پر کعب نے کہا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: کیا میں تمہارے سر کو سونگھ سکتا ہوں؟ اس نے اجازت دے دی۔ پہلے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خود اس کا سر سونگھا اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت ہے؟ اس نے اس مرتبہ بھی اجازت دے دی۔ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی۔

5: لزومِ کفر

اگر کوئی شخص ایسی بات کہے جو موجب کفر نہ ہو لیکن اس سے کفر لازم آ رہا ہو تو محض لزوم کفر سے قائل کافر نہ ہو گا جب تک وہ کفر کا التزام نہ کرے ہاں اگر لزوم کفر یقینی اور بالکل واضح ہو تو پھر یہ بھی کفر ہو گا۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ت 1252ھ فرماتے ہیں:

إِنَّ لَازِمَ الْمَذْهَبِ لَيْسَ بِمَذْهَبِهِمْ.

(رد المحتار لابن عابدین الشامی: ج3 ص46)

ترجمہ: کسی نظریہ سے لازم آنے والی چیز اصل نظریہ نہیں ہوتی۔

مثال:

معتزلہ کے عقائد و نظریات کے بارے میں جب بحث ہو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ "معتزلہ کا یہ موقف کفر ہے" اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ "ان کی فلاں بات سے کفر لازم آتا ہے" لزومِ کفر؛ کفر نہیں ہوتا اس لیے ہم معتزلہ کو ان کے عقائد فاسدہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔

چنانچہ علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ت 1252ھ فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ: (وَإِنْ وَقَعَ إِلْزَامًا فِي الْمَبَاحِثِ) مَعْنَاهُ وَإِنْ وَقَعَ التَّصْرِيحُ بِكُفْرِ الْمُعْتَزِلَةِ وَنَحْوِهِمْ عِنْدَ الْبَحْثِ مَعَهُمْ فِي رَدِّ مَذْهَبِهِمْ بِأَنَّهُ كُفْرٌ أَيْ يَلْزَمُ مِنْ قَوْلِهِمْ بِكَذَا الْكُفْرُ وَلَا يَقْتَضِي ذٰلِكَ كُفْرَهُمْ.

(حاشیۃ ابن عابدین: ج3 ص46)

ترجمہ: معتزلہ کے ساتھ بحث کے دوران بعض مباحث میں اگر الزاما تکفیر کی بھی گئی ہے تو اس کا معنی یہ کہ ان کے موقف و دعوی سے کفر لازم آرہا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں۔

6: ارتکاب کبیرہ

اگر کوئی مسلمان حالت ایمان میں کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس پر کفر کا فتوی نہیں لگے گا۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا نُكَفِّرُ مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيْرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحِلَّهَا وَلَا نُزِيْلُ عَنْهُ اسْمَ الْإِيْمَانِ وَنُسَمِّيْهِ مُؤْمِنًا حَقِيْقَةً وَيَجُوْزُ أَنْ يَّكُوْنَ مُؤْمِنًا فَاسِقًا غَيْرَ كَافِرٍ.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: ہم کسی مسلمان کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ ہم اس سے "ایمان" کا لفظ ختم نہیں کر سکتے بلکہ اسے حقیقی مؤمن ہی کہیں گے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص مؤمن ہو اور فاسق ہو لیکن کافر نہ ہو۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ فرماتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ فِيْمَنِ ارْتَكَبَ الْكَبِيْرَةَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَاتَ قَبْلَ التَّوْبَةِ فَالْمَذْهَبُ عِنْدَنَا عَدَمُ الْقَطْعِ بِالْعَفْوِ وَلَا بِالْعِقَابِ بَلْ كِلَاهُمَا فِيْ مَشِيْئَةِ اللهِ تَعَالٰى لٰكِنْ عَلٰى تَقْدِيْرِ التَّعْذِيْبِ نَقْطَعُ بِأَنَّهٗ لَا يُخْلَدُ فِي النَّارِ بَلْ يَخرُجُ اَلْبَتَّةَ لَا بِطَرِيْقِ الْوُجُوْبِ عَلَى اللهِ تَعَالٰى بَلْ بِمُقْتَضٰى مَا سَبَقَ مِنَ الْوَعْدِ وَثَبَتَ بِالدَّلِيْلِ كَتَخْلِيْدِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج2 ص229)

ترجمہ: اہل اسلام کا مرتکب کبیرہ مومن کے بارے میں اختلاف ہے جو توبہ کرنے سے پہلے فوت ہو جائے۔ ہمارا (اھل السنۃ والجماعۃ) کا موقف یہ ہے کہ ہم صاحبِ کبیرہ کے لیے قطعی طور پر معافی کے قائل ہیں نہ سزا پانے کے بلکہ معافی اور سزا کو اللہ کی مشیت کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اگر مرتکبِ کبیرہ کو سزا ہوئی تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ سزا پانے کے بعد جہنم سے ضرور نکلے گا۔ ہاں جہنم سے نکالنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی وجہ سے ہے (کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو جنت میں ضرور داخل کرے گا) اور اس دلیل کی بناء پر ہے (کہ اہل ایمان ہمیشہ جہنم میں نہیں جائیں گے) جس طرح اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ رہنا دلیل کی بنا پر ہے۔

اشکال:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی (ت360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَاراً."

(المعجم الاوسط للطبرانی: ج3 ص343 رقم الحدیث 3348)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو اس نے کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کیا۔

اس روایت میں تو گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے کفر ثابت ہو رہا ہے۔

جوابات:

1: اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا۔

2: یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو نماز کا انکار کرے۔

3: یہ باعتبار انجام کے بتایا گیا ہے کہ جب انسان نماز کو چھوڑ دے گا تو بالآخر یہ کام اسے کفر تک لے جائے گا۔

4: یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں کفر پر مرنے کا خدشہ ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

قُلْتُ: وَنِعْمَ الرَّأْيُ رَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ ; إِذِ الْأَقْوَالُ بَاقِيهَا ضَعِيفَةٌ، ثُمَّ مِنَ التَّأْوِيلَاتِ أَنْ يَكُونَ مُسْتَحِلًّا لِتَرْكِهَا، أَوْ تَرْكُهَا يُؤَدِّي إِلَى الْكُفْرِ، فَإِنَّ الْمَعْصِيَةَ بَرِيدُ الْكُفْرِ، أَوْ يُخْشٰى عَلٰى تَارِكِهَا أَنْ يَمُوتَ كَافِرًا، أَوْ فِعْلُهُ شَابَهَ فِعْلَ الْكَافِرِ.

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ (اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں) سب سے اچھی رائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہے کیونکہ اس کے علاوہ باقی سارے اقوال ضعیف ہیں۔ پھر اس حدیث کی تاویلات میں سے (۱) ایک تاویل یہ ہے کہ نماز چھوڑنے کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ (۲) ایک تاویل یہ بھی ہے کہ نماز چھوڑنا کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ معصیت کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (۳) یا یہ خدشہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو کر مرے گا یا (۴) یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے نماز چھوڑ کر کافروں جیسا کام کیا ہے۔

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج3 ص17

فتویٰ تکفیر میں احتیاط

کسی کے بارے میں کفر کا فتوی دینا ایک نازک مرحلہ ہے جس میں اعتدال کی بے حد ضرورت ہے۔ اس لئے کہ کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ

(1): اسے سلام کرنا ناجائز ہے۔

(2): اس سے قلبی تعلق رکھنا ناجائز ہے۔

(3): اس سے کسی مسلمان کا نکاح کرنا ناجائز ہے۔

(4): اگر اس کا نکاح پہلے سے کسی مسلمان سے ہوا ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔

(5): اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔

(6): اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ناجائز ہے۔

(7): اس کے لیے استغفار کرنا ناجائز ہے۔

(8): اس کے لیے استشفاع کرنا ناجائز ہے۔

(9): اس کے لیے ایصالِ ثواب کرنا ناجائز ہے۔

(10): اس کو وراثت میں حصہ دینا اور اس کی وراثت سے حصہ لینا ناجائز ہے۔

قاضی ابو الفضل عیاض بن موسی بن عیاض مالکی رحمہ اللہ (ت544ھ) نقل کرتے ہیں:

لِأَنَّ إِدْخَالَ كَافِرٍ فِي الْمِلَّةِ وَإِخْرَاجَ مُسْلِمٍ عَنْهَا عَظِيمٌ فِي الدِّيْنِ.

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: فصل في تحقيق القول في إكفار المتأولين)

ترجمہ: کسی کافر کو ملت (اسلام) میں داخل سمجھنا اور کسی مسلمان کو ملت سے خارج قرار دینا بہت نازک مسئلہ ہے۔

اہلِ قبلہ

لغوی معنی:

لغوی اعتبار سے "اہل قبلہ" ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔

چنانچہ مولانا عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) فرماتے ہیں:

مَعْنَاهُ اللُّغوِیُّ مَنْ یُّصَلِّیْ اِلَی الْکَعْبَةِ اَوْ یَعْتَقِدُهَا قِبْلَةً.

(النبراس شرح شرح العقائد 342،341)

ترجمہ: لغت میں اہل قبلہ سے مراد وہ شخص ہے جو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے یا کعبہ کے قبلہ ہونے کا عقیدہ رکھے۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاح شریعت میں اہل قبلہ سے مراد ضروریات دین کو ماننے والے، اہل ایمان اہل اسلام ہیں۔

چنانچہ مولانا عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ ت 1239ھ فرماتے ہیں:

فِی اصْطِلَاحِ الْمُتَکَلِّمِیْنَ مَنْ یُّصَدِّقُ بِضَرُوْرِیَاتِ الدِّیْنِ اَیِ الْاُمُوْرِ الَّتِیْ عُلِمَ ثُبُوْتُهَا فِی الشَّرْعِ وَاشْتُهِرَ فَمَنْ اَنْکَرَ شَیْئًا مِّنَ الضَّرُوْرِیَاتِ کَحُدُوْثِ الْعَالَمِ وَحَشْرِ الْاَجْسَادِ وَعِلْمِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ بِالْجُزْئِیَّاتِ وَفَرْضِیَّةِ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ لَمْ یَکُنْ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ وَلَوْ کَانَ مُجَاهِدًا فِی الطَّاعَاتِ وَکَذٰلِكَ مَنْ بَاشَرَ شَیْئًا مِنْ اَمَارَاتِ التَّکْذِیْبِ کَسُجُوْدِ الصَّنَمِ وَالْاِهَانَةِ بِاَمْرٍ شَرْعِیٍّ وَالْاِسْتِهْزَاءِ عَلَیْهِ فَلَیْسَ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص 341، ص 342)

ترجمہ: متکلمین کی اصطلاح میں اہل قبلہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ضروریات دین یعنی ان چیزوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت شریعت میں یقینی ہے اور یہ چیزیں معروف و مشہور بھی ہوں (کہ عوام الناس بھی ان سے واقف ہوں) تو اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین مثلاً عالم کا حادث ہونا، قیامت کے دن جسموں کا دوبارہ اٹھنا، یہ نظریہ رکھنا کہ اللہ پاک کو جزئیات کا علم نہیں، نماز اور روزے کی فرضیت کا انکار کرنا ان میں سے کسی ایک کا انکار کر دے تو وہ اہل قبلہ نہیں

ہو گا چاہے وہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جو تکذیب کی علامت ہو جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، شریعت کے کسی معاملے کی اہانت کرنا اور اس کا مذاق اڑانا تو یہ شخص بھی اہل قبلہ نہ ہو گا۔

اہلِ قبلہ کا حکم:

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی رحمہ اللہ ت 321ھ فرماتے ہیں:

وَلَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ.

(العقیدۃ الطحاویۃ: ص 101)

ترجمہ: ہم کسی اہل قبلہ کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔

فائدہ نمبر 1:

یہ جو کہا جاتا ہے کہ "اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہا جائے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

1: انہیں ارتکابِ معاصی کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔

2: انہیں امور خفیہ غیر مشہورہ (امورِ غیر بدیہہ) کے انکار کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔

3: انہیں عقائد ظنیہ کے انکار کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

فائدہ نمبر 1: علامہ پرہاڑوی رحمہ اللہ کی اس عبارت میں "امور خفیہ غیر مشہورہ" سے مراد وہ اعتقادات ہیں جو عوام میں زیادہ شہرت نہ پاتے ہوں اور ان کا سمجھنا نظر و فکر پر منحصر ہو۔ جیسے قرآن کریم کا قدیم ہونا، فرشتوں پر انبیاء علیہم السلام کی فضلیت وغیرہ۔ اسی طرح فقہاء کے اجتہادی مسائل بھی اس قسم میں داخل ہیں مثلاً "قروء" سے مراد حیض ہونا، ربوی چیزوں میں کمی زیادتی اور ادھار کا حرام ہونا۔

فائدہ نمبر 2: علامہ پرہاڑوی رحمہ اللہ کی اس عبارت میں "امور خفیہ غیر مشہورہ" یہ امور بدیہیہ مشہورہ کے مقابلے میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر اہلِ قبلہ؛ امورِ بدیہیہ مشہورہ یعنی ضروریاتِ دین کا انکار کر دیں تو اب انہیں کافر کہا جائے گا۔

فائدہ نمبر2:

عوام الناس میں اہلِ قبلہ کا جو اصطلاحی مفہوم مشہور ہے کہ ”اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں“تو یہ مفہوم غلط ہے۔”اہلِ قبلہ “ایک شرعی اصطلاح ہے جس کی مخصوص مراد ہے یعنی ضروریات دین کو ماننے والے لوگ۔ جس طرح ”خلافتِ راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“شرعی اصطلاحات ہیں جن کی مراد یہ ہے کہ آیت استخلاف (سورۃ النور: آیت 55) میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی خلافت کا وعدہ کیا گیاہے وہ چار ہیں اور ان کی خلافت کو ”خلافتِ راشدہ“ کہتے ہیں۔

جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ان کا اُخروی حکم

اس اعتبار سے افراد کی تین قسمیں ہیں:

[1]: ایک شخص کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس میں وجودِ باری تعالیٰ، توحید باری تعالیٰ وغیرہ میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت موجود تھی تو وہ عند اللہ معذور نہیں ہو گا بلکہ اس کا مؤاخذہ ہو گا۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

امام نظام الدین ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الخراسانی الشاشی الحنفی (ت 335ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: لَوْ لَمْ يَبْعَثِ اللهُ تَعَالٰى رَسُوْلًا لَوَجَبَ عَلَى الْعُقَلَاءِ مَعْرِفَتُهٗ بِعُقُوْلِهِمْ.

(اصول الشاشی: ص50 فصل فی الامر)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث نہ فرماتے تب بھی عقل مندوں پر عقل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ضروری ہوتا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”اس شخص کو اگر کبھی کسی اھلِ حق کے کہنے سے یا خود کسی خیال کے آنے سے اپنے طریقہ میں شبہ پڑا ہو اور پھر بھی تحقیق کی فکر نہ کی ہو تب تو اس پر مواخذہ ہو گا۔“

(امداد الفتاویٰ: ج5 ص404)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

کفر و شرک چونکہ امرِ بدیہی ہے کہ عقل و فطرت سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اس لیے انکارِ خداوندی اور شرک پر ہر حال میں مواخذہ ہو گا۔

(معارف القرآن: ج4 ص264 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی (ت 1396ھ) لکھتے ہیں:

”بعض ائمہ کے نزدیک جو اسلامی عقائد عقل سے سمجھے جا سکتے ہیں مثلاً خدا کا وجود، اس کی توحید وغیرہ پس

جو لوگ اس کے منکر ہوں گے ان کو کفر پر عذاب ہو گا اگرچہ ان کو کسی نبی ورسول کی دعوت نہ پہنچی ہو۔“

(معارف القرآن: ج5 ص456 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

[2]: ایک شخص کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت موجود نہیں تھی تو آخرت میں اس کا امتحان ہو گا کہ یہ شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ ایک منادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو پیغام دے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ! اگر یہ اس آگ میں داخل ہوا تو وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور پر امن ہو جائے گی اور یہ اطاعت گزار شمار ہو گا۔ اس صورت میں اس کا مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ اگر اس نے اطاعت نہ کی تو یہ نافرمان شمار ہو گا۔ اس صورت میں اس کا مؤاخذہ ہو گا۔ (تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

قولِ فیصل اس کے بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا امتحان ہو گا اور منجانب اللہ ان کے پاس ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ! پس جو حکمِ خداوندی کی اطاعت کرے گا آگ اس کے حق میں برد اور سلام بن جائے گی اور جو انکار کرے گا اس کو گھسیٹ کر آگ میں ڈالا جائے گا۔ حاصل کلام یہ کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا اس طرح امتحان لیا جائے گا جو اطاعت کرے گا وہ بہشت میں داخل کر دیا جائے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ ذلت و خواری کے ساتھ داخلِ نار ہو گا۔

(معارف القرآن: ج4 ص265 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَرْبَعَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَصَمٌّ لَا يَسْمَعُ شَيْئًا وَرَجُلٌ أَحْمَقُ وَرَجُلٌ هَرَمٌ وَرَجُلٌ مَاتَ فِي فَتْرَةٍ فَأَمَّا الْأَصَمُّ فَيَقُولُ: رَبِّ! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَسْمَعُ شَيْئًا. وَأَمَّا الْأَحْمَقُ فَيَقُولُ: رَبِّ! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَالصِّبْيَانُ يَحْذِفُونِي بِالْبَعْرِ. وَأَمَّا الْهَرَمُ فَيَقُولُ: رَبِّي! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَعْقِلُ شَيْئًا. وَأَمَّا الَّذِي مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ فَيَقُولُ: رَبِّ! مَا أَتَانِي لَكَ رَسُولٌ. فَيَأْخُذُ مَوَاثِيقَهُمْ لَيُطِيعُنَّهُ فَيُرْسِلُ إِلَيْهِمْ أَنِ ادْخُلُوا النَّارَ. قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ دَخَلُوهَا لَكَانَتْ عَلَيْهِمْ بَرْدًا وَسَلَامًا."

(مسند احمد: ج26 ص228 رقم الحدیث 16301)

ترجمہ: حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن چار قسم کے لوگ ہوں گے (جو اپنی نجات کے لیے یوں دلائل دیں گے) ایک بہرہ جو کچھ بھی نہیں سنتا، دوسرا احمق آدمی، تیسرا بوڑھا شخص اور چوتھا وہ شخص جو زمانہ فترت (یعنی اس زمانے میں جس میں وحی نہ آتی تھی) فوت ہوا۔ چنانچہ

☼ بہرہ شخص عرض کرے گا: یااللہ! جب اسلام آیا تو میں اس وقت کچھ بھی نہیں سن سکتا تھا۔

☼ احمق آدمی کہے گا: یااللہ! جب اسلام آیا تو میری حالت یہ تھی کہ بچے مجھے مینگنیاں مارتے تھے۔

☼ بوڑھا شخص کہے گا: یا اللہ! جب اسلام آیا تو میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا (میرے حواس کام چھوڑ چکے تھے)

☼ اور جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہوا تو وہ کہے گا: یااللہ! میرے پاس آپ کا کوئی رسول نہیں آیا۔

(ان کی باتیں سن کر) اللہ تعالیٰ ان سے عہد لیں گے کہ تم لوگ میری اطاعت کرو گے۔ چنانچہ (اس اطاعت کے امتحان کے لیے) ان کی طرف یہ پیغام بھیجا جائے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں مجھ محمد کی جان ہے اگر وہ اس میں داخل ہو گئے تو وہ اسے ٹھنڈی اور پر امن پائیں گے۔

[3]: ایک شخص میں عقل و فہم موجود ہے لیکن اس کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس شخص نے معاصی کا ارتکاب بھی کر رکھا ہو تو ارتکابِ معاصی کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ نہیں ہو گا کیونکہ اجتناب عن المعاصی کی بنیاد رسول یا کسی داعی کا اسے دعوت دینا ہے۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

آیت ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ میں عدمِ عذاب کا حکم معاصی کے ساتھ مخصوص ہے کہ قبل بعثت ارتکاب معاصی پر عذاب نہ ہو گا۔

(معارف القرآن: ج4 ص264 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی (ت1396ھ) لکھتے ہیں:

”عام معاصی اور گناہوں پر سزا بغیر دعوت و تبلیغِ انبیاء کے نہیں ہو گی۔“

(معارف القرآن: ج5 ص456 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

[4]: ایک شخص میں عقل و فہم موجود ہے، اس کو دعوتِ اسلام بھی پہنچی ہے لیکن وہ عقیدۂ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس نے معاصی کا ارتکاب بھی کر رکھا ہو تو اس شخص کو عدمِ ایمان کی وجہ سے عذاب ہو گا اور ارتکابِ معاصی کی وجہ سے ازدیادِ عذاب ہو گا۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ﴾

سورۃ المدثر: 42 تا 44

ترجمہ: (اصحاب الیمین جب جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں آنا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت1362ھ) لکھتے ہیں:

”اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار مکلف بالفروع ہیں۔ سقر میں دو چیزیں ہوں گی: تعذیب و زیادتِ تعذیب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعۂ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعۂ تعذیب وزیادتِ تعذیب کا اس طرح کہ کفر و تکذیب تو سبب ہو تعذیب کا اور ترکِ صلوٰۃ وغیرہ سبب ہو زیادتِ تعذیب کا، اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جاویں گے کہ ان فروع پر نفسِ تعذیب نہ ہو گی اور زیادتِ تعذیب اس لیے ہو کہ ضمنِ اصول میں تو آخر ان فروع کے بھی مکلف ہیں۔ بس تکلیفِ ضمنی سبب ہو جاوے زیادت کا۔“

(تفسیر بیان القرآن: ج3 ص611، تفسیر سورۃ المدثر آیت ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ﴾)

فائدہ:

گناہوں پر مؤاخذہ نہ ہونے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے پاس دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو اور عدمِ

واقفیت کی بناء پر اس سے گناہوں کا ارتکاب ہوا ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو اور جہالت کی وجہ سے معاصی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو تو اس کا مؤاخذہ ہو گا۔ جہالت اس شخص کے لیے عذر شمار نہیں ہو گی کیونکہ جب اس شخص نے اسلام قبول کیا ہے تو اسلامی احکامات اور قواعد و قوانین کا سیکھنا بھی اس پر فرض ہے۔ جیسے ایک شخص جب کسی ملک میں داخل ہو تو اس ملک کے قوانین سے واقفیت حاصل کرنا اس پر لازم ہو تا ہے۔ اگر عدمِ علم کی وجہ سے وہ کسی قانون کی خلاف ورزی کر تا ہے تو اس کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہو تا کہ مجھے پتا نہیں تھا۔

کفار سے تعلقات کا حکم

کفار سے تعلقات کی چار قسمیں ہیں:

(1): موالات یعنی دل سے محبت اور دوستی

(2): مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی

(3): مواساۃ یعنی کفار سے غم خواری کرنا

(4): معاونت یعنی کفار کا تعاون کرنا

ان چاروں اقسام کا حکم یہ ہے:

موالات کا حکم:

کفار سے موالات یعنی دل سے محبت اور دوستی کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

دلیل نمبر1:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾

(سورۃ المائدۃ:51)

ترجمہ: اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا، وہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں! اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو اس کا شمار انہی میں ہو گا۔

دلیل نمبر2:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ﴾

(سورۃ الممتحنۃ:1)

ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

دلیل نمبر3:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ﴾

(سورۃ آل عمران:28)

ترجمہ: مومنین؛ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مدارات کا حکم:

مدارت یعنی ظاہری خوش خلقی۔

مدارت اِن تین مقاصد کے لیے جائز ہے:

(1)...کافر کے شر اور نقصان سے بچنے کے لیے

دلیل:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (۲۸)﴾

(سورۃ آل عمران:28)

ترجمہ: مومنین؛ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں تم ان سے بچنے کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرو (تو تمہارے لیے اس کی گنجائش ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات اقدس سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

(2)...اس کافر کی ہدایت کے لیے (بشرطیکہ یہ توقع ہو کہ ہمارے اس عمل سے وہ ہدایت کی طرف آئے گا)

دلیل:

﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾﴾

(سورۃ عبس:5،4)

ترجمہ: جو شخص لاپروائی دکھاتا ہے تو آپ اس کی ہدایت کے لیے فکر مند ہوتے ہیں۔

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرداران قریش؛ عتبہ، ربیعہ، ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شیبہ، ابو جہل بن ہشام وغیرہ جمع تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور شرک وبت پرستی کے مہلک نتائج سے باخبر فرمارہے تھے۔ ان سرداران قریش کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توقع تھی کہ وہ اسلام قبول کریں گے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار سے مدارات فرمایا۔

سوال:

سورۃ عبس میں تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے ان سرداران قریش کی طرف متوجہ رہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ مدارات درست نہ ہوں اگرچہ ان کے راہِ راست پر آنے کی توقع بھی ہو۔

جواب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب اس وجہ سے نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران قریش کے قبولِ اسلام کی توقع پر ان سے مدارات فرمایا بلکہ عتاب کی وجہ یہ تھی کہ ان کفار کو تبلیغ کرنے سے ان کا نفع غیر یقینی تھا جبکہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو تعلیم دینے سے ان کا نفع یقینی تھا۔ تو عتاب کی وجہ غیر یقینی نفع کو یقینی نفع پر ترجیح دینا تھا، نہ کہ کفار کے قبول اسلام کی توقع پر ان سے مدارات کرنا۔

(3)... کافر اگر مہمان ہو تو اس کے اکرام کے لیے

دلیل:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ."

(صحیح البخاری: رقم الحدیث6138)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

فائدہ نمبر1: اس حدیث مبارک میں "ضیف" (مہمان) کا لفظ عام ہے چاہے مسلمان ہو یا کافر، اھل السنۃ والجماعۃ ہو یا اھلِ بدعت، بحیثیت مہمان کے اس کا اکرام کرنا چاہیے۔

فائدہ نمبر2: اگر آنے والا مہمان مقتداء ہو اور اس کا اکرام کرنے سwedsaے فتنے کا خطرہ ہو تو ایسے شخص کا اکرام کرنا جائز نہیں۔ مثلاً لوگوں کے اس کی طرف مائل ہونے کا، مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا یا کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اب اکرام نہ کریں۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

فائدہ نمبر3: کافر کے ساتھ ظاہری خوش خلقی کرنے میں اگر مقصد.....

- اس کافر سے مال یا جاہ کا حصول ہو
- یا خوش خلقی کرنے میں دینی ضرر اور نقصان ہوتا ہو

تو یہ ظاہری خوش خلقی بھی جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ(۱۳۹)﴾

(سورۃ النساء:139)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں، کیا یہ ان کے ہاں عزت تلاش کر رہے ہیں؟ یاد رکھو! عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

مواسات کا حکم:

مواسات یعنی کفار سے غمخواری کرنا، بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا، پریشان ہو تو اسے تسلی دینا، فوت ہو

جائے تو اس کے ورثاء سے تعزیت کرنا اور انہیں تسلی دینا وغیرہ۔ جن کفار سے جنگ ہے (یعنی اہلِ حرب) ان کے ساتھ مواسات جائز نہیں ہے البتہ جن سے جنگ نہیں بلکہ حالتِ امن ہے ان کے ساتھ جائز ہے۔

◆ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ غُلَامًا لِيَهُودَ كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ فَقَالَ: "أَسْلِمْ" فَأَسْلَمَ.

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 5657)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ بیمار ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اسے فرمایا: ”اسلام قبول کر لو!“ تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی (ت 1014ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلٰى جَوَازِ عِيَادَةِ الذِّمِّيِّ.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ج5 ص294 باب عیادۃ المریض)

ترجمہ: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ذمی (غیر مسلم) کی عیادت کرنا جائز ہے۔

◆ علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

جَارٌ يَهُودِيٌّ أَوْ مَجُوسِيٌّ مَاتَ ابْنٌ لَهُ أَوْ قَرِيبٌ يَنْبَغِي أَنْ يُعَزِّيَهُ، وَيَقُولَ: "أَخْلَفَ اللهُ عَلَيْكَ خَيْرًا مِنْهُ، وَأَصْلَحَكَ" وَكَانَ مَعْنَاهُ: أَصْلَحَكَ اللهُ بِالْإِسْلَامِ يَعْنِي رَزَقَكَ الْإِسْلَامَ وَرَزَقَكَ وَلَدًا مُسْلِمًا.

(رد المحتار مع الدر المختار: ج6 ص388)

ترجمہ: اگر کسی کا ہمسایہ یہودی ہو یا مجوسی ہو اور اس کا بیٹا یا کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے تو مسلمان اس کے ساتھ ان الفاظ سے تعزیت کرے: اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور آپ کے حالات کو درست فرما دے! اس کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی توفیق عطا فرما کر آپ کے حالات درست فرمائے اور آپ کو ایسا بیٹا عطا فرمائے جو مسلمان بنے۔

فائدہ: جب کوئی فوت ہوتا ہے تو ایک ضرورت اہلِ میت کی ہوتی ہے اور ایک ضرورت میت کی۔ اہلِ میت کی

ضرورت ان سے اظہار ہمدردی اور تعزیت کرنا ہے۔ اہلِ میت مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان سے اظہار ہمدردی کی جا سکتی ہیں۔ جہاں تک میت کا تعلق ہے تو اگر میت؛ مسلمان ہو تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اگر میت؛ غیر مسلم ہو تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ مغفرت کی دعا صرف مسلمانوں کا حق ہے۔ اس لیے غیر مسلم میت کے لیے کبھی بھی ایسا جملہ نہ بولا جائے جس سے اس کی مغفرت طلب کرنے اور گناہوں کی معافی مانگنے کا ادنیٰ سا پہلو بھی نکلتا ہو۔ اس سے یکسر اجتناب کرنا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ﴾

(سورۃ التوبۃ:84)

ترجمہ: ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة وهي متضمنة للدعاء والإستغفار والإستشفاع.

(تفسیر روح المعانی: ج10 ص155)

ترجمہ: اس آیت میں جس "صلوٰۃ" سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد نماز جنازہ ہے (یعنی آپ ان لوگوں کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں) نمازِ جنازہ میں میت کے لیے دعا، مغفرت طلب کرنا اور اللہ کے ہاں اس کی سفارش کرنا سب شامل ہے (تو نماز سے منع کرنے کا معنی ان سب امور سے منع کرنا ہے)

معاونت کا حکم:

معاونت یعنی ان سے تعاون کرنے کا حکم یہ ہے کہ جن کفار سے جنگ ہے (یعنی اہلِ حرب) ان کے ساتھ معاونت جائز نہیں ہے اور جن سے جنگ نہیں بلکہ حالتِ امن ہے ان کے ساتھ جائز ہے۔

دلیل:

﴿لَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَ

تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (٨) اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (٩)﴾

(سورۃ الممتحنۃ:8،9)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ جو لوگ دین کے معاملے میں تم سے نہیں لڑے اور نہ ہی انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے کہ تم ان کی مدد کرو یا ان سے تعاون کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو تمہیں اس بات سے روکتا ہے کہ جن لوگوں نے ساتھ دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے کہ تم ان سے دوستی رکھو۔ (یہ بات جان لو کہ) جو لوگ اس کے باوجود ان کی مدد کریں گے تو وہی لوگ ظالم شمار ہوں گے۔

سوال:

آیت میں جنگ کرنے والے کفار سے نیکی اور انصاف کا معاملہ کرنے سے منع کیا گیا ہے حالانکہ نیکی اور انصاف تو ہر شخص کے ساتھ کرنے کا حکم ہے۔

جواب:

(1): آیت میں "بِرّ" (نیکی) نہ کرنے سے مقصود؛ نیکی کے ایک خاص شعبہ "امداد" سے منع کرنا ہے۔ یعنی اگر حالتِ جنگ ہو تو جنگجو کافروں کو افرادی یا مالی امداد فراہم نہ کرو!

(2): آیت میں "انصاف" سے منع کرنے کا معنی بھی یہی ہے کہ ان کا تعاون نہ کرو! عرف میں اپنوں اور غیروں کی مدد کرنے والے شخص کے بارے میں کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا انصاف پسند ہے یعنی اپنوں اور غیروں کی تفریق کیے بغیر ہر کسی کی مدد کرتا ہے۔

ملحوظ: ﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ﴾ سے مراد بھی امداد کرنا ہے کیونکہ عام طور پر جس سے محبت ہوتی ہے اسی کی مدد کی جاتی ہے۔ تو یہاں بھی "تولی" (محبت و دوستی) کا اطلاق "امداد" پر کیا گیا ہے۔

کسی شخص پر لعنت کرنے کا حکم

لعنت کا لغوی معنیٰ:

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت1252ھ) علامہ شمس الدین محمد بن حسام الدین الخراسانی الحنفی المعروف علامہ قہستانی (ت962ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اللَّعْنُ فِي الْأَصْلِ الطَّرْدُ .

(رد المحتار: ج3 ص416)

ترجمہ: لعنت؛ لغت میں دور کرنے کو کہتے ہیں۔

لعنت کا اصطلاحی معنیٰ:

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت1252ھ) علامہ شمس الدین محمد بن حسام الدین الخراسانی الحنفی المعروف علامہ قہستانی (ت962ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اللَّعْنُ ... شَرْعًا فِي حَقِّ الْكُفَّارِ الْإِبْعَادُ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰى وَفِي حَقِّ الْمُؤْمِنِينَ الْإِسْقَاطُ عَنْ دَرَجَةِ الْأَبْرَارِ .

(رد المحتار: ج3 ص416)

ترجمہ: لعنت کا شرعی معنی کافروں کے حق میں انہیں اللہ کی رحمت سے دور کرنا اور مومنین کے حق میں انہیں اَبرار (نیک صالح لوگوں) کے درجہ سے گرانا ہے۔

لعنت بھیجنے کے حکم کی تفصیلات:

افراد اور ان کے احوال کے پیشِ نظر ان پر لعنت بھیجنے کے حکم میں کچھ تفصیل ہے۔

[1]: ایسے افراد جن کی موت حالتِ کفر پر ہوئی ہو ان کا نام لیے بغیر ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہنا کہ ”کفر پر مرنے والوں پر لعنت ہو۔“

دلیل:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾

(سورۃ البقرۃ:161)

ترجمہ: بیشک جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافر ہونے کی حالت میں ہی مر گئے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

[2]: ایسے افراد جن کے بارے میں یقین ہو کہ ان کی موت حالتِ کفر پر ہوئی ہے ان کا نام لے کر ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہنا کہ فرعون پر لعنت، ابو جہل (عمرو بن ہشام) پر لعنت۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت1014ھ) لکھتے ہیں:

يَجُوْزُ اللَّعْنُ .... عَلٰى كَافِرٍ مُعَيَّنٍ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ كَفِرْعَوْنَ وَأَبِيْ جَهْلٍ.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج7ص3045)

ترجمہ: خاص اس کافر پر لعنت کرنا جائز ہے جو کفر پر مرا ہو جیسے فرعون اور ابو جہل۔

دلائل:

1: ﴿فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ (٩٧) يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (٩٨) وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (٩٩)﴾

(سورۃ ھود:97تا99)

ترجمہ: ان (سرداروں) نے فرعون کا حکم مانا، حالانکہ فرعون کا حکم بالکل بھی درست نہ تھا۔ وہ روزِ قیامت اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا، پھر وہ انہیں دوزخ کے گھاٹ پر جا اتارے گا۔ اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر کوئی جا اترے۔ اس دنیا میں بھی ان پر لعنت کی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ یہ بدترین انعام ہے جو کسی کو ملے۔

2: امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بغدادی رحمہ اللہ (ت241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَيْتُ أَبَا جَهْلٍ وَقَدْ جُرِحَ وَقُطِعَتْ رِجْلُهُ قَالَ: فَجَعَلْتُ أَضْرِبُهُ بِسَيْفِي فَلَا يَعْمَلُ فِيهِ شَيْئًا. قِيلَ لِشَرِيكٍ فِي الْحَدِيثِ: وَكَانَ يَذُبُّ بِسَيْفِهِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَلَمْ

أَزَلْ حَتّٰى أَخَذْتُ سَيْفَهُ فَضَرَبْتُهُ بِهِ حَتَّى قَتَلْتُهُ. قَالَ: ثُمَّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: قَدْ قُتِلَ أَبُو جَهْلٍ. وَرُبَّمَا قَالَ شَرِيكٌ: قَدْ قَتَلْتُ أَبَا جَهْل. قَالَ: أَنْتَ رَأَيْتَهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: آللهِ مَرَّتَيْنِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَاذْهَبْ حَتّٰى أَنْظُرَ إِلَيْهِ. فَذَهَبَ فَأَتَاهُ وَقَدْ غَيَّرَتِ الشَّمْسُ مِنْهُ شَيْئًا فَأَمَرَ بِهِ وَبِأَصْحَابِهِ فَسُحِبُوا حَتّٰى أُلْقُوا فِي الْقَلِيبِ قَالَ: وَأُتْبِعَ أَهْلُ الْقَلِيبِ لَعْنَةً وَقَالَ: كَانَ هٰذَا فِرْعَوْنَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ.

(مسند احمد: ج6 ص375 رقم الحدیث 3824)

ترجمہ: ابو عبیدہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں (غزوۂ بدر میں) ابو جہل کے پاس پہنچا۔ وہ زخمی پڑا تھا۔ اس کا ایک پاؤں کٹ چکا تھا۔ میں اسے اپنی تلوار سے مارنے لگا لیکن تلوار نے اس پر کچھ اثر نہ کیا۔ راوی حدیث شریک سے پوچھا گیا: کیا ابو جہل اپنی تلوار کے ذریعے مقابلہ کر رہا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسے مسلسل تلوار مارتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کی تلوار چھینی اور اسی تلوار کے ذریعے اس پر وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابو جہل مارا گیا ہے۔ راوی حدیث شریک کبھی یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے خود ابو جہل کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ مجھے قسم دے کر پوچھا (کہ واقعی وہ قتل ہو گیا ہے) تو میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ چلو تاکہ میں بھی اسے دیکھوں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی لاش کے پاس تشریف لائے۔ سورج کی تپش نے اس کی لاش کے کچھ حصے کو خراب کر دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو کھینچ کر کنوئیں میں ڈال دو۔ فرمایا کہ ان کنویں والوں پر لعنت برسائی گئی۔ فرمایا: یہ اس امت کا فرعون تھا۔

[3]: زندہ یا مردہ کی قید کے بغیر مطلقاً کافر پر لعنت بھیجنا بھی جائز ہے چاہے ان کفار کا وصفِ عام (کفر) ذکر کر کے لعنت کی جائے یا وصفِ خاص (مثلاً یہودیت، نصرانیت وغیرہ) ذکر کر کے لعنت کی جائے۔ جیسے یوں کہنا کہ کافروں پر

اللہ کی لعنت، یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت1014ھ) لکھتے ہیں:

يَجُوْزُ اللَّعْنُ بِالْوَصْفِ الْأَعَمِّ كَقَوْلِهِ: ﴿فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ﴾ [البقرة: 89]، وَبِالْأَخَصِّ كَقَوْلِهِ: "لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ."

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ج7 ص3045)

ترجمہ: عام وصف کا ذکر کرتے ہوئے (اس کے حاملین پر) لعنت کرنا جائز ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کافروں پر اللہ کی لعنت ہو، اور خاص وصف کا ذکر کرتے ہوئے لعنت کرنا بھی جائز ہے جیسے یوں کہنا: یہود پر اللہ کی لعنت۔

دلائل:

1: ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ﴾

(سورۃ البقرۃ: 89)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب پہنچی جو ان کے پاس موجود کتاب [تورات] کی تصدیق کرنے والی ہے؛ حالانکہ وہ اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے] فتح مانگا کرتے تھے؛ تو جب وہ [پیغمبر قرآن کریم لے کر] ان کے پاس آ گیا جسے وہ پہچانتے بھی تھے، تو وہ اس کے انکاری ہو گئے۔ تو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ: "لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ."

(صحیح البخاری: رقم الحدیث1390)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت یاب نہ ہو سکے، فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے، انہوں نے اپنے

انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

[4]: جو شخص زندہ ہو اور حالتِ کفر میں ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔

معروف مفسر علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الحنفی (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

إِنْ كَانَ مِمَّنْ لَمْ يَثْبُتْ شَرْعًا ..... بِعَيْنِهٖ فَهٰذَا فِيْهِ خَطَرٌ.

(تفسیر روح البیان: ج1 ص142 تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 87 ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ﴾)

ترجمہ: اگر یہ شخص معین ایسا ہو جس کا کفر (پر مرنا) ثابت نہیں ہے تو اس (شخص پر لعنت کرنے) میں کھٹکا ہے۔

فائدہ:

اس سے مراد وہ شخص ہے میں ایسے قرائن پائے جاتے ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ شخص علی الدوام کفر پر نہیں رہے گا کہ اس کی موت بھی کفر پہ آئے بلکہ اس میں امکان ہو کہ یہ کسی وقت مسلمان ہو سکتا ہے، ایسے شخص پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہو جو کافر ہے لیکن اس کے بارے میں قرائن وشواہد ایسے ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ کبھی بھی اسلام نہ لائے گا تو اس پر لعنت کرنا جائز ہو گا کیونکہ یہاں مقصد اس شخص کے شر سے مسلمانوں کو خبر دار کرنا اور بچانا ہے۔

دلیل:

معروف مفسر علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الحنفی (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

لأن حال خاتمته غير معلوم وربما يسلم الكافر أو يتوب فيموت مقرباً عند الله فكيف يحكم بكونه ملعوناً ألا يرى أن وحشياً قتل عم النبي عليه السلام أعني حمزة رضي الله عنه ثم أسلم على يد النبي عليه السلام وبشره الله بالجنة.

(تفسیر روح البیان: ج1 ص142 تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 87 ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ﴾)

ترجمہ: (معین کافر پر لعنت کرنا اس لیے جائز نہیں) کیونکہ اس معین شخص کے خاتمے کا حال معلوم نہیں ہے اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کافر؛ مسلمان ہو جاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے اور اللہ کے ہاں قرب کا مقام پالیتا ہے اور اسی حالت میں اس کی وفات ہو جاتی ہے تو اس کو ملعون کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ کیا یہ بات واضح نہیں کہ حبشی رضی

اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور پھر نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اللہ نے انہیں جنت کی بشارت دی۔

[5]: اگر کوئی کافر ایسا ہو جو زندہ ہو، اسلام کا صریح مخالف ہو، اپنی تصنیف، تقریر اور اثر ورسوخ کے ذریعے اسلام کو نقصان پہنچاتا ہو، ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

دلیل:

ایسے شخص پر لعنت بھیجنا اس لیے جائز ہے کیونکہ اس کے عمل سے شر اور فتنہ پیدا ہو رہا ہے۔ لعنت کرنے کا مقصد اس شخص کے شر اور فتنہ انگیزی سے مسلمانوں کو باخبر کرنا اور بچانا ہے۔

[6]: جس شخص کا کفر پر مرنا کسی دلیل سے معلوم نہ ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ تَجُزْ عَلٰی مُعَیَّنٍ لَمْ یُعْلَمْ مَوْتُہٗ عَلَی الْکُفْرِ بِدَلِیلٍ.

(رد المحتار: ج3 ص416)

ترجمہ: اس متعین شخص پر لعنت نہیں کی جائے گی جس کا کفر پر مرنا کسی دلیل سے (یقینی طور پر) ثابت نہ ہو۔

دلیل:

اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے اس شخص کا کاتمہ ایمان پر ہوا ہو لیکن ہمیں اس کا علم نہ ہو تو اس پر لعنت کرنے سے بلاوجہ ایک مسلمان پر لعنت کرنا لازم آئے گا۔

[7]: ایک شخص کفر پر مر گیا اور اس کا کفر پر مرنا یقینی ہو اور وہ شخص جب تک زندہ تھا اسلام کے لیے نقصان کا باعث نہیں تھا، اگر اس شخص پر لعنت بھیجنے سے اس کے کسی رشتہ دار مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس شخص پر لعنت نہیں بھیجنی چاہیے۔ جیسے ایک شخص کافر تھا اور اس کا بیٹا مسلمان ہے، اگر اس کافر پر لعنت بھیجیں تو اس کے بیٹے کو تکلیف ہوگی تو اب اس پر لعنت نہ بھیجی جائے۔

معروف مفسر علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الحنفی (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

اللعن على الشخص فإن كان ممن ثبت كفرهم شرعاً يجوز لعنه إن لم يكن فيه أذى على مسلم.

(تفسیر روح البیان: ج1 ص142 تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 87 ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ﴾)

ترجمہ: کسی معین شخص پر لعنت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس شخص کا کفر ثابت ہے تو اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ لعنت کرنے سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو۔

دلیل:

اگر کوئی شخص کفر پر مرا ہو تو اس پر لعنت کرنا واجب نہیں ہے لیکن ایذاء مسلم سے بچنا حرام ہے جس طرح دورانِ طواف حجرِ اسود کو بوسہ دینا مستحب ہے لیکن اگر اس سے مسلمانوں کو ایذاء ہو تو بوسہ نہیں دینا چاہیے۔ یہاں بھی اس فوت شدہ کافر شخص پر لعنت نہ بھیجی جائے۔

[8]: ایسے زندہ مسلمان جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوں تو ان کے کسی فرد کو متعین کیے بغیر ان کو اس گناہ کے ساتھ متصف کر کے ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہنا: ان مردوں پر لعنت جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

وَبِخِلَافِ غَيْرِ الْمُعَيَّنِ كَالظَّالِمِينَ وَالْكَاذِبِينَ فَيَجُوزُ أَيْضًا.

(رد المحتار لابن عابدین: ج3 ص416)

ترجمہ: بخلاف غیر معین شخص کے جیسے ظالموں پر لعنت، جھوٹوں پر لعنت تو ایسا کہنا بھی جائز ہے۔

فائدہ:

یہاں لعنت کا معنی یہ ہو گا کہ یہ مسلمان؛ نیک لوگوں کے مقام و مرتبہ سے گرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) علامہ شمس الدین محمد بن حسام الدین الخراسانی الحنفی رحمہ اللہ (ت 962ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اللَّعْنُ ... فِي حَقِّ الْمُؤْمِنِينَ الْإِسْقَاطُ عَنْ دَرَجَةِ الْأَبْرَارِ .

(رد المختار: ج3 ص416)

ترجمہ: لعنت کا شرعی معنی مومنین کے حق میں یہ ہے کہ انہیں اَبرابر (نیک صالح) کے درجہ سے گرانا ہے۔

دلائل:

1: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ.

(صحیح البخاری: کتاب اللباس بَاب الْمُتَشَبِّهُونَ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتُ بِالرِّجَالِ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔

2: امام مسلم بن حجاج القشیری (ت261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدِيهِ وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ.

(صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ. باب لعن آکل الربا و مؤکلہ)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سودی معاملہ لکھنے والے اور سودی معاملے پر گواہ بننے والے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ تمام لوگ اس معاملے میں برابر کے شریک ہیں۔

[9]: مسلمان جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوں ان کے فردِ معین پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت1252ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ لَعْنَ الْوَاحِدِ الْمُعَيَّنِ كَهٰذَا الظَّالِمِ لَا يَجُوزُ.

(رد المختار لابن عابدین: ج3 ص416)

ترجمہ: ایک معین ظالم شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

دلیل:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللهِ وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتٰى بِهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ."

(صحیح البخاری: کتاب الحدود بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الْخَمْرِ وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنَ الْمِلَّةِ)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی تھا جس کا نام "عبد اللہ" تھا۔ لوگوں نے اسے حمار (گدھا) کا نام دے رکھا تھا۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شراب پینے کی وجہ سے کوڑوں کی سزا دی تھی۔ ایک دن اسے پھر لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اسے کوڑے مارے گئے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر، اسے کتنی زیادہ مرتبہ (شراب پینے کی سزا کے لیے) لایا جاتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لعنت مت کرو، اللہ کی قسم! جو بات مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

[10]: فوت شدہ مسلمان فاسق ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت1252ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ تَجُزْ عَلٰى مُعَيَّنٍ لَمْ يُعْلَمْ مَوْتُهُ عَلَى الْكُفْرِ بِدَلِيلٍ وَإِنْ كَانَ فَاسِقًا مُتَهَوِّرًا كَيَزِيدَ عَلَى الْمُعْتَمَدِ.

(رد المحتار: ج3 ص416)

ترجمہ: کسی متعین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں جب تک اس کا کفر پر مرنا کسی دلیل سے یقینی طور پر ثابت نہ ہو خواہ وہ ایک لاپرواہ فاسق شخص ہی کیوں نہ ہو جیسے صحیح قول کے مطابق یزید ہے (کہ وہ فاسق ہے لیکن اس پر لعنت جائز

نہیں)۔

دلیل:

شریعت کا حکم ہے کہ مسلمان فاسق کی وفات کے بعد اس کا جنازہ پڑھا جائے، اس کے لیے استغفار کی جائے، استشفاع کیا جائے اور ایصال ثواب کیا جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان فاسق کے لیے وفات کے بعد دعا کی جائے، اس پر لعنت نہ بھیجی جائے۔

فاسد العقیدۃ شخص کے پیچھے نماز کا حکم

فاسد العقیدہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔

[1]: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) فرماتے ہیں:

”غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لیے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم“

(امداد الفتاویٰ: ج1 ص304 باب الامامۃ والجماعۃ)

[2]: مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ (ت 1422ھ) فرماتے ہیں:

”مقلدین و غیر مقلدین میں بہت سے اصولی و فروعی اختلاف ہیں مثلاً یہ لوگ صحابہ کو معیار حق نہیں مانتے۔ ائمہ اربعہ پر سب و شتم کرتے ہیں اور ان کی تقلید کو جس کے وجوب پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اس کو بدعت بلکہ بعض تو شرک تک کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں، بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں۔ وقوع طلاق ثلثہ کو قرآن و حدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ جمعہ کی اذان اول کو بدعت عثمانی کہتے ہیں۔ اور بعض تو چار سے زائد عورتوں سے نکاح کو جائز کہتے ہیں، متعہ کے جواز کے قائل ہیں اس لیے ہمارے اکابرین فرماتے ہیں کہ حتیٰ الوسع ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نماز جیسی اہم عبادت کو مشتبہ طور پر ادا کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی تو احتیاطاً بعد میں اعادہ کر لے۔“

(فتاویٰ رحیمیہ: ج4 ص183 باب الامامۃ والجماعۃ)

[3]: مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1422ھ) لکھتے ہیں:

”آج کل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذہب کا خیال نہیں رکھتی بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے اور اس کو ثواب سمجھتی ہے اس لیے ان کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے.... یہ تفصیل اس وقت ہے جب امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے اور سبِّ سلف کرتا ہے [یعنی اکابرین امت کو گالیاں دیتا ہے] تو اس کی امامت بہر حال مکروہِ تحریمی

ہے۔“

احسن الفتاویٰ: ج3 ص282 باب الامامة والجماعة

[4]: دار العلوم دیوبند کے فتویٰ(Fatwa ID: 395-318/D=4/1435-U) میں لکھا ہے:

”اگر غیر مقلد امام سوتی موزے پر مسح کرتا ہے یا تقلید کو شرک کہتا ہے یا ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم، دار الافتاء، دار العلوم دیوبند“

[5]: دار العلوم دیوبند فتویٰ(فتوی:787-798/1433/N=10) میں لکھا ہے:

”جو غیر مقلد تقلید کو شرک، خلفائے راشدین کی جاری کردہ سنن کو بدعات اور ائمہ مجتہدین وغیرہم کے متعلق زبان درازیاں کرتا ہو وہ فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اور آج کل کے اکثر غیر مقلدین ایسے ہی ہوتے ہیں اس لیے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیے.... واللہ تعالیٰ اعلم، دار الافتاء، دار العلوم دیوبند“

[6]: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فتویٰ(144202200404) میں لکھا ہے:

”بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ کسی صحیح العقیدہ، متقی، پرہیز گار امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے.... اگر کوئی شخص ایسی بدعات میں مبتلا ہو جو حدِ کفر و شرک تک پہنچی ہوئی ہوں اور اس میں تاویل معتبر نہ ہو، یا یقینی طور پر اس کے عقائد کا شرکیہ ہونا معلوم ہو تو ایسے بدعتی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہوگا۔“

دلیل:

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْإِسْلَامِ."

(شعب الایمان للبیہقی: ج12 ص57 رقم الحدیث9018)

ترجمہ: ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام (کی عمارت) کو گرانے میں معاونت کی۔

فائدہ: فاسد العقیدہ بدعتی شخص کو امام بنانے میں بھی اس کی تعظیم ہے جو حدیث مذکور کی رو کی جائز نہیں!

اشکال:

امام ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدار قطنی (ت 385ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَصَلُّوا عَلٰى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَجَاهِدُوا مَعَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ".

(سنن الدار قطنی: رقم الحدیث 1768)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک و گنہگار شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو! ہر نیک و گنہگار میت کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو اور ہر نیک و گنہگار شخص (یعنی امیر) کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرو!

اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہر مسلمان کے پیچھے درست ہے چاہے وہ کتنا ہی فاجر کیوں نہ ہو!

جواب:

اس حدیث میں "فاسق" سے مراد وہ شخص ہے جس کے عقائد تو درست ہوں لیکن اعمال میں فسق آ چکا ہو۔ اگر امام ایسا شخص ہو کہ اس کا فسق حد کفر تک جا پہنچا ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر امام کا عقیدہ خراب ہے اگرچہ اعمال میں بظاہر اچھا ہو تو بھی اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہو گی۔

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی (ت 1231ھ) مراقی الفلاح کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ: الْفَاسِقُ بِالْجَارِحَةِ لَا بِالْعَقِيْدَةِ.

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص204)

ترجمہ: "فاسق" سے مراد اعمال کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت سے نکلنے والا شخص ہے نہ کہ عقیدہ کے اعتبار سے۔

ایمان و کفر

ایمان اور کفر دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایمان؛ صحت جبکہ کفر؛ بیماری ہے۔ جس طرح صحت مند ہونے کے لئے تمام بیماریوں سے پاک ہونا ضروری ہے لیکن بیمار ہونے کے لئے کسی ایک بیماری کا لگ جانا بھی کافی ہے اسی طرح مومن ہونے کے لئے تمام ضروریاتِ ایمان کی تصدیق ضروری ہے اور کافر ہونے کے لئے ضروریات ایمان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

چنانچہ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الْإِيْمَانِ إِلَّا بِجُحُوْدِ مَا أَدْخَلَهُ فِيْهِ.

(العقیدۃ الطحاویۃ: رقم العقیدۃ 60)

ترجمہ: بندہ ایمان سے اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک ان چیزوں کا انکار نہ کر دے جن کے ماننے کی وجہ سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا۔

سنت و بدعت

سنت اور بدعت دو متضاد چیزیں ہیں۔ سنت؛ صحت جبکہ بدعت؛ بیماری ہے۔ جس طرح صحت مند ہونے کے لئے تمام بیماریوں سے پاک ہونا ضروری ہے لیکن بیمار ہونے کے لئے کسی ایک بیماری کا لگ جانا بھی کافی ہے اسی طرح اھل السنۃ والجماعۃ ہونے کے لئے تمام ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ کی تصدیق ضروری ہے اور بدعتی ہونے کے لئے ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ إِلَّا بِجُحُوْدِ مَا أَدْخَلَهُ فِيْهِ.

ترجمہ: بندہ اھل السنۃ والجماعۃ سے اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک ان چیزوں کا انکار نہ کر دے جن کے ماننے کی وجہ سے وہ اھل السنۃ والجماعۃ میں داخل ہوا تھا۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

شاذ اور فرقہ

شاذ:

ایک مسئلہ پر اہل حق کے 99 افراد متفق ہیں اور اس مسئلہ میں اہلِ حق کا ایک فرد اختلاف کرتا ہے تو ان میں 99 کو سوادِ اعظم اور ایک کو "شاذ" کہتے ہیں۔

مثال:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تین طلاقوں کو ایک کہنا، بعض اہل علم کا آٹھ رکعات تراویح کا قائل ہونا۔

حکم:

"شاذ" کی اتباع نہیں کریں گے بلکہ "سوادِ اعظم" کی کریں گے۔

دلیل:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ (ت 273ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ."

(سنن ابن ماجۃ: کتاب الفتن باب السواد الاعظم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کی پیروی کرو!

فائدہ نمبر 1: "شاذ" رائے کو گمراہ تو نہیں کہیں گے کیونکہ یہ اہلِ حق کے فرد کی رائے ہے، اسے "تفرد" کہیں گے۔

فائدہ نمبر 2: اگر وہ فرد اپنی رائے کو حق کہہ کر دوسروں کی تضلیل کرتا ہے تو اس فرد کو "ضال" اور "مضل" کہیں گے۔

فائدہ نمبر 3: اگر کوئی شخص اس فرد کی رائے کو "مذہب" بنا کر مشہور کرے تب بھی اس کو "ضال" اور

"مضل" کہیں گے۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

فرقہ:

کئی ایک عقائد و مسائل کے حاملین افراد پر مشتمل گروہ کا نام "فرقہ" ہے۔

فائدہ نمبر1: فرقہ کی دو قسمیں ہیں:

۱:فرقہ ناجیہ

اگر کسی فرقہ کے عقائد و مسائل درست ہوں تو وہ فرقہ ناجیہ، اہلِ حق ہو گا۔

۲:فرقہ ضالہ

اگر کسی فرقہ کے عقائد و مسائل غلط ہوں تو وہ فرقہ ضالہ ہو گا۔

فائدہ نمبر2: فرقہ ضالہ کی دو قسمیں ہیں:

۱:فرقہ ضالہ کافرہ:

اگر کوئی فرقہ ضروریاتِ دین کے مقابلے میں چند ایک ضروریاتِ دین گھڑ لے یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار کر دے تو یہ فرقہ ضالہ کافرہ ہو گا۔

مثال: منکرینِ ختمِ نبوت، منکرینِ قرآن، منکرینِ حدیث، منکرینِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

۲:فرقہ ضالہ مبتدعہ

اگر کوئی فرقہ ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ کے مقابلے میں چند ایک عقائد و مسائل گھڑ لے یا ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک کا انکار کر دے تو وہ فرقہ ضالہ مبتدعہ ہو گا، البتہ فرقہ کافرہ نہیں ہو گا۔

مثال: منکرینِ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، منکرینِ عصمت انبیاء علیہم السلام۔

(تنقیحاتِ متکلمِ اسلام)

فائدہ نمبر 3: تہتر فرقوں کا مطلب

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِي مَا أَتٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً." قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي."

(جامع الترمذی: باب ماجاء فی افتراق الامۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ساتھ وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہو گی تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہو گا جو اس کا مرتکب ہو گا۔ مزید فرمایا: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک جماعت کو چھوڑ کر باقی سب فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! جنت میں جانے والی جماعت کون سی ہو گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو بات میری اور اس کا مطلب میرے صحابہ سے لیں گے۔

فائدہ نمبر 1: اس حدیث مبارک میں جو تہتر فرقوں کا ذکر ہے ان سے مراد مسلمانوں کے تہتر فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ اھل السنۃ والجماعۃ ناجیہ ہادیہ اور بہتر فرقے ضالہ مبتدعہ ہیں۔

فائدہ نمبر 2: ان بہتر فرقوں کے متعلق یہ جو فرمایا ہے: "كُلُّهُمْ فِي النَّارِ" کہ یہ فرقے اپنے گناہوں کی سزا پانے کے کچھ مدت کے لیے جہنم میں جائیں گے اور سزا پانے کے بعد بالآخر جنت میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں جانے سے مراد یہ نہیں کہ یہ فرقے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ (ت 1385ھ) لکھتے ہیں:

"اس ایک فرقہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو بلا کسی ادنیٰ عذاب کے جنت میں جائے گا اور وہ یہ ہو گا جس میں

اعتقادی اور عملی کسی پہلو سے بھی بدعت نے راہ نہ پائی ہو گی۔ اگر بناء بر بشریت کوئی عملی کمزوری ان سے سر زد بھی ہو گئی ہو گی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت یا اسے معاف کر دے گی ورنہ قبر اور محشر کے شدائد میں کہیں اس کا حساب مجری کر لے گی۔ اس کے بالمقابل جو باطل فرقے ہیں ان کو اپنے افتراق اور تشتت کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ اس کے بعد وہ بھی جنت میں چلے جائیں گے۔ آخر کار اس امت کا ہر ہر فرقہ کچھ عذاب پا کر یا بلا عذاب جنت میں داخل ہو جائے گا۔“

(ترجمان السنۃ: ج1ص78)

فائدہ نمبر4: تہتر واں فرقہ

یہ وہ فرقہ ہے جو فقہاء اور علماء سے عداوت اور بغض رکھتا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ الْعَارِفِيْنَ : هٰذِهِ الْفِرْقَةُ الَّتِي زَادَتْ فِي فِرَقِ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ قَوْمٌ يُعَادُوْنَ الْعُلَمَاءِ وَيُبْغِضُوْنَ الْفُقَهَاءَ، وَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ قَطُّ فِي الْأُمَمِ السَّالِفَةِ.

(الجامع لاحکام القرآن: سورت الانعام آیت 153 "

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ")

ترجمہ: بعض علمائے عارفین کا قول ہے کہ یہ جو فرقہ امت محمدیہ میں زائد ہوا ہے یہ وہ لوگ ہیں وہ علماء سے عداوت رکھتے ہیں اور فقہاء سے بغض رکھتے ہیں۔ یہ فرقہ امم سابقہ میں نہیں تھا۔

فائدہ نمبر5: ایک عام قاعدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی نعمت ملتی ہے تو اس کے مقابلے میں دشمن بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ”اجتہاد“ پہلی امتوں میں نہیں تھا تو اس کے دشمن بھی نہیں تھے۔ جب اس امت میں اجتہاد آیا تو اس کے دشمن بھی پیدا ہو گئے۔ تو یہ تہتر واں فرقہ اس امت میں اس لیے ہے پہلی امتوں میں اجتہاد کی نعمت نہیں تھی۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) سورت الاعراف کی آیت نمبر 145 ﴿ وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ (١٤٥) ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فَإِنَّهُ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمُ اجْتِهَادٌ، وَإِنَّمَا خُصَّ بِذٰلِكَ أُمَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(الجامع لاحکام القرآن: سورت الاعراف آیت 145)

ترجمہ: پہلی امتوں میں اجتہاد نہیں تھا۔ اجتہاد کی دولت خاص امت محمدیہ کو عطا ہوئی ہے۔

دین، مسلک، مذہب، منہج

دین:

منصوصات قطعیّات کا نام ہے جن کا انکار کفر ہے۔

مثال: آیاتِ قرآنیہ، احادیث متواترہ

مسلک:

منصوصات ظنیّات کا نام ہے جن کا انکار اھل السنۃ والجماعۃ سے خروج ہے۔

مثال: اخبار آحاد

فائدہ: منصوصات ظنیہ دو قسم کے ہیں:

1: ظنی الثبوت

وہ منصوصات جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہوں یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو۔

مثال: اخبارِ آحاد، جیسے

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتّٰى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ. فَيُقَالُ: أُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ أَبْدَلَكَ اللهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْكَافِرُ أَوِ الْمُنَافِقُ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي! كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ أُذُنَيْهِ فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ."

(صحیح البخاری: ج1 ص178 باب المیت یسمع خفق النعال)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں، ابھی وہ ان جانے والوں کے جوتوں کی آواز سن ہی رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آکر اس کو بٹھا دیتے ہیں، پھر وہ اس سے کہتے ہیں: تم اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس کو کہا جاتا ہے: دیکھو تمہارے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں تھی، اللہ نے اس کو تمہارے لئے جنت میں بیٹھنے کی جگہ سے تبدیل کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بندہ ان دونوں جگہوں کو دیکھے گا۔ رہا کافر یا منافق تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے، تو اس سے کہا جائے گا تو نے عقل سے جانا، نہ قرآن مجید کی تلاوت کی، پھر اس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ضرب لگائی جائے گی جس سے وہ چلائے گا اور اس کے چلانے کو جن اور انسان کے علاوہ اس کے قریب کی تمام چیزیں سنیں گی۔

2: ظنی الدلالت

ایسی نصوص جن کی دلالت کے اپنے مفہوم پر یقینی نہ ہو یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہو۔

مثال: مؤول آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾

(سورۃ البقرۃ:228)

ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

یہاں لفظ "قُرُوْٓءٍ" میں احتمال ہے کہ اس سے مراد "طہر" کے ایام ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد "حیض" کے ایام ہوں۔ اس احتمال کی وجہ سے یہ ظنی الدلالۃ ہو گی۔

ملحوظہ:

منصوصاتِ ظنیہ کا انکار اھل السنۃ والجماعۃ سے خروج اس وقت شمار ہو گا جب وہ منصوص ظنی کسی عقیدہ کے

بارے میں ہو۔ مذکورہ مثال فرعی مسئلہ کے بارے میں ہے۔ اس لیے اگر کوئی مجتہد اس سے اختلاف کرے تو وہ اھل السنۃ والجماعۃ سے خارج نہ ہو گا کیونکہ اعتقادی اختلاف کا حکم الگ ہے اور فرعی اختلاف کا حکم الگ ہے۔

مذہب:

اجتہادیّات کا نام ہے۔ جس میں ہر مذہب کے حق اور خطا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ."

(صحیح البخاری: ج2 ص1092 بابُ أجرِ الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا سے: "جب کوئی حاکم اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد (اللہ کے ہاں) درست ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد (اللہ کے ہاں) خطا ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔"

مثال: مذاہبِ اربعہ یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ

منہج:

طریقہ کار اور پالیسی کا نام ہے۔

مثال: دیوبند

فائدہ نمبر 1:

"دِيْنُنَا الْإِسْلَامُ" ہمارا دین اسلام ہے۔

"مَسْلَكُنَا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ" ہمارا مسلک اھل السنۃ والجماعۃ ہے۔

"مَذْهَبُنَا الْحَنَفِيُّ" ہمارا مذہب احناف ہے۔

"مَنْهَجُنَا الدِّيُوْبَنْد" ہمارا منہج، دیوبند ہے۔

فائدہ نمبر 2:

- کبھی مذہب کا استعمال دین پر بھی ہوتا ہے اور کبھی دین کا استعمال پر مذہب بھی ہوتا ہے۔ جیسے بعض فارم میں مذہب کا خانہ ہوتا ہے اور مقصود اس سے "دین" کا سوال کرنا ہوتا ہے۔
- بعض لوگ غلط فہمی کی بناء پر مسالک کے اختلاف کو ادیان کا اور ادیان کے اختلاف کو مسالک کا اختلاف کہہ دیتے ہیں جو کہ درست نہیں۔
- بعض لوگ غلط فہمی کی بناء پر مذاہب کے اختلاف کو ادیان کا اور بعض ادیان کے اختلاف کو مذہب کا اختلاف کہہ دیتے ہیں جو کہ درست نہیں۔

فائدہ نمبر 3:

- ادیان کا اختلاف؛ یہ حق اور باطل بمعنی کفر اور اسلام کا اختلاف ہے۔
- مسلک کا اختلاف؛ یہ حق اور باطل بمعنی سنت وبدعت، ہدایت وضلالت کا اختلاف ہے۔
- مذہب کا اختلاف؛ یہ حق اور خطا کا اختلاف ہے جو باعثِ رحمت ہے۔
- منہج کا اختلاف؛ یہ طریقہ کار اور پالیسی کا اختلاف ہے۔

چند الفاظ میں فرق

تشدد اور تسدد میں فرق:

تشدد: اپنے موقف پر سخت ہونا۔ جیسے لوہے کا زنجیر جو سخت ہونے کے باجود ٹوٹ جاتا ہے۔

تسدد: اپنے موقف پر مضبوط ہونا۔ جیسے ریشم کا رسہ جو نرم ہونے کے باجود نہیں ٹوٹتا۔

تعصب اور تصلب میں فرق:

تعصب: ضد و عناد کی بنیاد پر اپنے موقف پر پختگی سے کاربند رہنا

تصلب: دلائل کی بنیاد پر اپنے موقف پر پختگی سے کاربند رہنا

فائدہ:

بہتر یہ ہے کہ مسلکِ حق پر پختگی کو ”تمسک“ کے لفظ سے تعبیر کیا جائے۔ اس لیے کہ حدیث میں ”تمسک“ کا لفظ آیا ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت 275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْعِرْبَاضُ صَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ « أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِى فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِى وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

(سنن ابی داؤد: ج2 ص290 کتاب السنة. باب فی لزوم السنة)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمیں ایک دن نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں نہایت موثر انداز میں نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے کہ یہ الوداعی نصیحت ہے، اس لیے آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تم کو (مسلمان) امیر کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اور اس کی باتوں کو سن کر بجالانے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ امیر حبشی غلام ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارے اختلاف دیکھے گا۔ ایسے وقت میں تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور دین میں نئی نئی باتیں (یعنی نئے عقیدے اور نئے عمل) پیدا کرنے سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

چند کتب

اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد اور اصول عقائد کو پڑھنے، معلوم کرنے اور سمجھنے کے لئے ان کتب کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔

[1]: الفقہ الاکبر۔ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت150ھ
(مع شرح الفقہ الاکبر۔ امام علی بن سلطان بن محمد ہروی المعروف ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ ت1014ھ، شرح الفقہ الاکبر۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[2]: عقیدہ طحاویہ۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ طحاوی رحمہ اللہ ت321ھ
(مع شرح عقیدہ طحاویہ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[3]: العقائد النسفیۃ۔ امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی (ت537ھ)
(مع شرح العقائد النسفیہ۔ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ، شرح عقائد نسفیہ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[4]: العقیدۃ الحسنۃ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ت1176ھ
(مع شرح العقیدۃ الحسنۃ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[5]: المہند علی المفند۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ ت1348ھ
(مع حاشیہ المہند علی المفند۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[6]: اکفار الملحدین۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ1352ھ

[7]: عقائد الاسلام۔ شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ت1394ھ

[8]: جواہر الفقہ جلد اول۔ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ ت1396ھ

[9]: العقائد الاسلامیۃ مع اردو ترجمہ اسلامی عقائد۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

[10]: کتاب العقائد۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن